ایک تحقیقی جائزہ

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4033962-4043432 1 00966
فیکس: 4021659 E-mail: darussalam@awalnet.net.sa
Website: www.dar-us-salam.com

❶ طریق مکہ - العلیا - الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945
❷ شارع اربعین - الملز - الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
❸ جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
❹ الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624

لندن فون: 85394885 20 0044 فیکس: 85394889 020

امریکہ ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431
❷ نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com
❷ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
❸ موُن مارکیٹ اقبال ٹاؤن - لاہور فون: 7846714

کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ (بالمقابل فری پورٹ شاپنگ مال) کراچی
فون: 4393936-21-0092 فیکس: 4393937
Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 2500237-051

مضامین

اسراء ومعراج

واقعۂ معراج

مشاہداتِ معراج

تین اہم مسئلے اور ان کی وضاحت

معراج کی آیاتِ کبریٰ: عظیم نشانیاں

جہنم کے چند مشاہدات

مشہور......مگر غیر مستند واقعات

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا
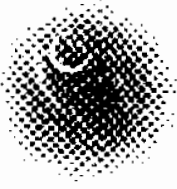
عرضِ ناشر

ہم کون ہیں، کیوں پیدا ہوئے ہیں: زمانے اور زندگی کے مقاصد کیا ہیں؟ جب زندگی کا اختتام ہمیں موت کے حوالے کر کے قبر تک پہنچا دیتا ہے، تو پھر قبر میں انسان پر کیا گزرتی ہے؟ کیا انسان صرف اسی لیے ہے کہ پیدا ہو، جوان ہو، شادی کرے، اپنے بچوں کو پال پوس کر جوان کرے اور پھر قبر کے گڑھے میں اتر جائے؟ کروڑوں سال سے یہی ہوتا آ رہا ہے، ایک نسل پیدا ہوتی ہے، پلتی ہے، بڑھتی ہے اور مر جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کی جگہ نئی نسل لے لیتی ہے۔ آخر یہ سلسلۂ حیات وممات کیا ہے، کیوں ہے اور کس لیے ہے؟ انسان ان سوالات کا جواب ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا مگر کوئی معقول جواب نہ پا سکا۔

تھک تھک کے ہر مقام پر دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں؟

اللہ رب العزت کو انسان کی اس بے بسی اور بے چارگی پر ترس آیا اور اس نے توضیحِ حقیقت کے لیے اپنے برگزیدہ بندوں کو رسول بنا کر بھیجا اور سب سے آخر میں خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو پیدا فرمایا تا کہ وہ عالم انسانیت کو اس دنیا کی تخلیق کی وجہ بتائیں اور انسان پر اس کا مقصد زندگی واضح کر دیں۔

حضور ﷺ نے انسانیت کو جہالت کے گرداب سے نکالا۔ کفر اور شرک کی گندگی سے نجات دلائی اور صاف صاف بتا دیا کہ اس کائنات اور انسانوں سمیت تمام مخلوقات کا خالق و مالک

صرف اللہ رب العزت ہے۔ ہمیں صرف اُسی کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں گے وہ اس دنیا میں بھی شاداب رہیں گے اور آخرت میں بھی جنت کی لازوال نعمتوں سے سرفراز ہوں گے اور جو بدقسمت افراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے وہ اس دنیا میں بھی حقیقی راحت حاصل نہیں کر سکیں گے اور آخرت میں جہنم کے شعلوں کے سپرد کر دیے جائیں گے۔

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسان کی رہنمائی کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام خاص طور پر محمد رسول اللہ ﷺ کا رول کس قدر زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ یہی اہمیت ہے جس کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ہر انسان کے لیے فرض لازم کی حیثیت رکھتا ہے۔

اللہ کے آخری رسول ﷺ کی مقدس سیرت سے روشناس کرانے کے لیے اللہ کے بہت سے برگزیدہ بندوں نے ضخیم کتابیں لکھی ہیں اور تاریخی حقائق کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کی سیرت مقدسہ کے ہر پہلو پر حتی الامکان تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ سیرت مقدسہ کا ایک اہم اور نمایاں پہلو معجزات ہیں۔ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کو ان کی نبوت کے ثبوت کے طور پر بسا اوقات معجزے بھی عطا فرماتا تھا۔ حضرت محمد ﷺ کو جو معجزے عطا کیے گئے وہ اتنے نادر اور بے مثال ہیں کہ وہ انبیائے سابقین میں سے کسی کو نہیں ملے۔ رسول اکرم ﷺ کو جو معجزے مرحمت فرمائے گئے، اُن کا ذکر کتب احادیث و سیرت میں جا بجا ملتا ہے۔ ان معجزات کی فہرست میں ایک نہایت اہم معجزہ اسراء اور معراج کا واقعہ ہے۔ اسراء اور معراج پر اگرچہ بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اس میں رطب و یابس کچھ اس طرح شامل کر دیا گیا کہ اصل واقعے کی صحیح صورت سامنے نہ آ سکی اور اس عدیم النظیر معجزے کی حقیقت کبریٰ روایات میں گم ہو گئی۔

یہ شرف سب سے پہلے عربی زبان میں شیخ ناصر الدین الألبانی رحمہ اللہ کو حاصل ہوا کہ انھوں نے واقعۂ معراج کی تنقیح و تصحیح کر کے اس کی صحیح صحیح تفصیلات ''الاسراء والمعراج'' کے زیر عنوان
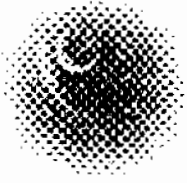
شائع کیں۔

اردو زبان میں اس موضوع پر آج تک کوئی مستند اور معیاری کام نہیں ہوا تھا جس کی تشنگی مُدت اور شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔ خاص طور پر روایات عامہ کی صحت وضعف کا خیال رکھتے ہوئے اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اس واقعے کے حقائق بیان کرنا وقت کی اہم ضرورت تھی۔

یہ بڑی مسرت بخش بات ہے کہ اس اہم موضوع پر برگزیدہ مصنف الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ نے قلم اٹھایا اور علم ونظر کے اعلیٰ پیمانے اور تحقیق وجستجو کی کسوٹی پر پرکھ کر یہ واقعہ مسلمہ حقائق سمیت پیش کر دیا۔ اس طرح موصوف نے زیرنظر کتاب ''اسراء اور معراج'' میں تصحیح وتنقیح کا محدثانہ اسلوب اختیار کر کے علمی عظمت کا نمایاں ثبوت دیا ہے۔

دارالسلام نے اپنے روایتی معیار طباعت کے مطابق یہ کتاب نہایت خوبصورت پیرائے میں شائع کی ہے۔ کتاب کے مندرجات کی درستی کے لیے اس کی ایڈیٹنگ اور پروف ریڈنگ کی ذمے داری رفیق ادارہ جناب حافظ آصف اقبال نے خوب نبھائی ہے اور تصحیح وترتیب کے حتمی مراحل مولانا محمد عثمان منیب نے بخوبی انجام دیے ہیں۔ کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کے فرائض جناب زاہد سلیم چودھری، ہارون الرشید اور ابومصعب نے ادا کیے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل مولف، معاونین اور ناشر کو اپنے لطف وکرم اور جزائے جزیل سے نوازے اور قارئین کرام کے لیے اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ نافع بنا کر ان کے قدموں کو سیرت رسول ﷺ کی صراطِ مستقیم پر ڈال دے۔

خادم قرآن وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر : دارالسلام۔ ریاض، لاہور

رجب 1427ھ/ جولائی 2006ء

عرضِ مؤلف

واقعۂ معراج ہمارے پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کُبریٰ کا مشاہدہ بھی عظیم تر ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ ابھی تک اس معجزۂ عظیم کی مستند تفصیلات کسی ایک جگہ نہیں ملتیں، احادیث وتفاسیر میں جہاں کہیں بھی یہ واقعہ اور اس کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں، وہاں یا تو صحیح روایات کے ساتھ رطب و یابس روایات بھی اس طرح جمع کر دی گئی ہیں کہ واقعے کی صحیح شکل سامنے نہیں آتی، یا پھر محض صرف صحیح روایات کو جمع کر دیا گیا ہے تاہم اس طریقے سے بھی واقعات کی توضیح و تنقیح نہیں ہو پاتی۔

علاوہ ازیں اس معجزے کی بابت لوگ افراط وتفریط کا بھی شکار ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو اسے ماننے کے لیے تیار نہیں، چنانچہ وہ اسے صرف ایک حسین خواب قرار دیتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اس میں افراط وغلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے عبد ومعبود اور خالق ومخلوق کے فرق کو بھی مٹا ڈالنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ یہ دونوں رویے اور نقطہ ہائے نظر غلط ہیں۔

اس کتاب میں پہلی مرتبہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ روایاتِ معراج کی تنقیح وتوضیح اس انداز سے کی جائے کہ واقعے کی صحیح شکل منقح ہو کر سامنے آ جائے۔ اسی طرح افراط وتفریط کے دونوں رویوں کی تغلیط وتردید کر کے صحیح موقف اور نقطۂ نظر کو واضح کیا جائے۔
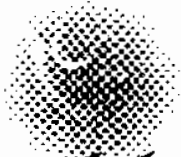
راقم اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے، اہل علم وتحقیق ہی اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ راقم ان کی رائے اور مشورے کا بھی منتظر ہے اوران کی پُرخلوص دعاؤں کا طالب بھی۔
اگراس کوشش میں راقم صحیح موقف کے اپنانے اور بیان کرنے میں کامیاب رہا ہےتو یہ محض اللہ کی توفیق اوراس کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے۔ اور اگر کہیں حق وصواب سے انحراف ہوا ہےتو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اوراہل علم کے ذریعے سےحق وصواب کی طرف رہنمائی فرمادے۔

حافظ صلاح الدین یوسف

مدیر: شعبۂ تحقیق وتالیف وترجمہ دارالسلام، لاہور

رجب:۱۴۲۷ھ۔ جولائی:۲۰۰۶ء

باب: 1

معراج کے دو حصے ہیں: پہلے حصے کو اِسراء اور دوسرے کو معراج کہا جاتا ہے لیکن عرف عام میں دونوں ہی کو معراج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسراء کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں ہے یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک کا سفر، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سُبْحَـٰنَ ٱلَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ إِلَى ٱلْمَسْجِدِ ٱلْأَقْصَا ٱلَّذِى بَـٰرَكْنَا حَوْلَهُۥ لِنُرِيَهُۥ مِنْ ءَايَـٰتِنَآ﴾

"پاک ہے وہ ذات جو رات کے ایک تھوڑے سے حصے میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے آس پاس ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کے کچھ نمونے دکھائیں۔"[1]

مسجد حرام (خانہ کعبہ) مکے میں ہے اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) فلسطین کے شہر القدس میں ہے جس کا پرانا نام ایلیا ہے۔ مکے سے القدس تک کی مسافت (پرانے زمانے کے مطابق جب کہ آمد و رفت کے موجودہ برق رفتار ذرائع نہیں تھے) 40 دن کی تھی لیکن چالیس دن کی یہ

---

[1] بنی اسرآءیل 17:1

مسافت اس رات کو اللہ کے حکم سے رات کے ایک تھوڑے سے حصے (گویا پلک جھپکنے) میں طے ہوگئی۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا آغاز لفظ [سُبحان] سے کیا جو سَبَّح یُسَبِّح کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں: [اُنَزِّ ہُ اللّٰہَ تَنْزِیھاً] ''میں اللہ کی ہر نقص سے تنزیہ اور براءت کرتا ہوں۔'' عام طور پر اس کا استعمال ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جب کسی عظیم الشان واقعے کا ذکر ہو۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ واقعہ کتنا بھی محال ہو، اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ اس لیے کہ وہ اسباب کا پابند نہیں وہ تو لفظ کُن سے پلک جھپکتے جو چاہے کرسکتا ہے۔ اسباب تو انسانوں کے لیے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پابندیوں اور کمزوریوں سے پاک ہے۔

معراج، عَرَجَ یَعْرُجُ سے اسم آلہ ہے جس کے معنی: ''چڑھنے کے ہیں۔'' معراج کے معنی ہوں گے: ''چڑھنے کا آلہ'' یعنی سیڑھی۔ مسجد اقصیٰ سے نبی ﷺ کو آسمانوں پر لے جایا گیا، اس کے لیے نبی ﷺ نے حدیث میں عُرِجَ بِي ''مجھے آسمانوں پر چڑھایا گیا'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض روایات میں معراج ''سیڑھی'' کا ذکر بھی ملتا ہے کہ اس کے ذریعے سے آسمانوں پر لے جایا گیا۔ اس لیے آسمانی سفر کے اس دوسرے حصے کو معراج کہا جاتا ہے۔ اس کا کچھ ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نجم میں کیا ہے اور دیگر تفصیلات احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔

اسراء و معراج ایک عظیم معجزہ

ظاہر بات ہے کہ چالیس روز کا سفر رات کے ایک تھوڑے سے حصے میں کر لینا، کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ اسی طرح رات کے اسی حصے میں آسمانوں کی سیر کر لینا بھی ظاہری طور پر

ایک انہونا واقعہ ہے۔لیکن جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، یعنی اس میں اس کی قدرت کی کارفرمائی اور اس کی مشیت کی جلوہ فرمائی ہو تو پھر اس میں استبعاد (اسے ناممکن سمجھنا) کسی مسلمان کے شایاں نہیں۔اسی لیے اس قسم کے واقعات کو معجزات کہا جاتا ہے جس کے معنی ہی ''عاجز کردینے والے واقعات'' کے ہیں، یعنی کوئی انسان اپنے طور پر ان کو کرنے پر قادر نہیں۔وہ صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت ہی سے وجود پذیر ہوتے ہیں۔جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی تائید وتصدیق کے لیے کوئی معجزاتی واقعہ لوگوں کو دکھلائے تو اللہ کے حکم سے اسے صادر کردیا جاتا ہے۔ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ بھی انسان ہی تھے وہ ازخود اس طرح بیت المقدس جاسکتے تھے نہ وہاں سے آسمانوں پر چڑھ سکتے تھے۔یہ سب کچھ اعجاز اور شان اللہ کی قدرت کی ہے کہ اس نے اپنے آخری پیغمبر کو یہ مقامِ عظمت وفضیلت عطا کرنا تھا تو اس نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ سب کچھ کرکے دکھادیا۔بنابریں اسے اللہ کی قدرت کاملہ کے مقابلے میں ناممکن قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہ کشف اور روحانی مشاہدہ نہیں تھا۔بجسدہ العنصری (روح اور بدن سمیت) ایک سفر تھا۔اسی لیے علمائے کرام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ یہ کشف اور روحانی مشاہدہ نہیں تھا (جیسا کہ بعض حضرات اسے خواب کا واقعہ باور کرانے کی مذموم سعی کرتے ہیں) بلکہ عالم بیداری کا واقعہ ہے۔آپ فی الواقع اپنی روح اور بدن سمیت پہلے بیت المقدس اور پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔

اسراء کے معنی ہی روح وبدن سمیت لے جانے کے ہیں نہ کہ عالم خواب میں روحانی سیر کے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو ایک اور مقام پر بیان فرمایا ہے۔اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا:

﴿ فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴾ (۲۳)

''اے موسیٰ! میرے بندوں کو راتوں رات (فرعون کے پنجے سے) نکال کر لے جا، یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔''①

یہاں قرآن مجید میں بنو اسرائیل کو لے جانے کا جو حکم ہے وہ کوئی روحانی طور پر لے جانے کا نہیں تھا بلکہ ان کو واقعی حقیقی طور پر لے جانے کا تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واقعی اپنی قوم کو وہاں سے نکال کر لے گئے جس کے بعد فرعون نے ان کا تعاقب کیا اور اپنے لشکر سمیت ان کو پکڑنے کے لیے ان کے پیچھے گیا۔ یہی لفظ [اَسْریٰ] اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے سفر کے لیے بھی استعمال فرمایا ہے: ﴿ اَسْریٰ بِعَبْدِہٖ ﴾ پس اس کے بھی وہی معنی ہوں گے جو [اَسْرِ بِعِبَادِی] کے ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک جگہ اس کے معنی روحانی سیر کے ہوں اور دوسری جگہ واقعی روح و بدن سمیت لے جانے کے۔

علاوہ ازیں حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب میرے اس واقعے کی شہرت ہوئی اور کفار و مکذِّبین کے لیے اس کا ماننا ممکن نہیں ہورہا تھا تو انھوں نے متعدد سوالات کیے جن کا جواب دینا میرے لیے مشکل تھا تو اللہ تعالیٰ نے میرے اور بیت المقدس کے درمیان سے سارے حجاب اٹھا کر بیت المقدس کو میرے سامنے کردیا اور میں اسے دیکھ دیکھ کر جواب دیتا رہا۔'' صحیح بخاری کے الفاظ ہیں:

«لَمَّا كَذَّبَنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ»

''جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حِجر (حطیم) میں کھڑا ہوگیا، پس اللہ نے بیت المقدس میرے سامنے لا کھڑا کیا اور میں اسے دیکھ دیکھ کر ان کو بتلاتا رہا۔''②

---

① الدخان 23:44

② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب حديث الإسراء ...... ، حديث : 3886، وصحيح مسلم، الإيمان، حديث : 170

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

«لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ، فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ - قَالَ - فَرَفَعَهُ اللهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، مَا يَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ»

''میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں حِجر میں (حطیم، خانہ کعبہ کا وہ حصہ جسے قریش نے باہر چھوڑ دیا تھا اور وہ اب تک اس طرح ہی چلا آ رہا ہے) ہوں اور قریش مجھ سے میری سیر معراج کے بارے میں سوالات کر رہے ہیں، پس انھوں نے بیت المقدس کے بارے میں مجھ سے بہت سی ایسی چیزیں پوچھیں جنھیں میں اچھی طرح یاد نہیں رکھ سکا تھا تو میں اتنا پریشان ہوا کہ اتنا پریشان اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر اس طرح میرے سامنے کر دیا کہ میں اسے دیکھنے لگا، پھر انھوں نے (اس کی بابت) جو بھی سوال مجھ سے کیا، میں ان کو اس کی بابت بتلاتا رہا۔''[1]

ایک اور روایت میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مکے میں صبح کو میں سخت پریشان ہوا کہ لوگ میری بات پر یقین نہیں کریں گے اور مجھے جھٹلائیں گے۔ میں اسی سوچ میں غمگین اور پریشان بیٹھا تھا کہ اللہ کا دشمن ابوجہل میرے پاس سے گزرا اور میرے پاس آ کر بیٹھ گیا اور مجھ سے استہزا کے انداز میں پوچھا: کیا کوئی خاص بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' اس نے کہا: کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات مجھے سیر کرائی گئی ہے۔'' اس نے کہا: کہاں تک؟ آپ نے فرمایا: ''بیت المقدس تک۔'' اس نے کہا: پھر صبح کو آپ ہمارے اندر

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب ذكر المسيح ابن مريم والمسيح الدجال، حديث: 172

موجود بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' اس نے کہا: اگر میں آپ کی قوم کو بلا کر لاؤں تو کیا آپ ان سے یہ بات کریں گے جو مجھ سے کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!''

چنانچہ اس نے عربوں کے طریقے کے مطابق آواز لگائی: اے بنو کعب بن لؤی! اس کی آواز سن کر لوگ مجلسوں سے اٹھ کر اس کے پاس آ گئے۔ وہ ان سب کو لے کر آپ کے پاس آ گیا اور کہنے لگا: اب آپ اپنی قوم کے سامنے وہ بات بیان کریں جو آپ نے مجھ سے کی تھی۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات مجھے سیر کرائی گئی ہے۔'' انھوں نے کہا: کہاں تک؟ آپ نے فرمایا: ''بیت المقدس تک۔'' انھوں نے کہا: پھر صبح آپ ہمارے درمیان موجود بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں!''

یہ سن کر کچھ لوگ تالیاں پیٹنے لگ گئے، کچھ نے اسے جھوٹ سمجھ کر اپنے سروں پر تعجب سے ہاتھ رکھ لیے۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جنھوں نے بیت المقدس کا سفر کیا ہوا تھا اور مسجد اقصیٰ بھی دیکھی ہوئی تھی، وہ کہنے لگے: کیا آپ مسجد اقصیٰ کی صفات بیان کر کے ہمیں بتلائیں گے؟

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے مسجد کی صفتیں بیان کرنی شروع کر دیں۔ میں بیان کرتا رہا، حتی کہ بعض چیزوں میں مجھے التباس ہونے لگا تو مسجد میرے سامنے کر دی گئی حتی کہ جیسے دار عقال یا دار عقیل سے کم فاصلے پر ہو گئی، پس میں اسے دیکھتا رہا اور اس کی صفتیں بیان کرتا رہا۔ انھوں نے میری باتیں سن کر کہا: اللہ کی قسم! اس نے صفتیں تو ساری صحیح بیان کی ہیں۔''[1]

اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو نبی ﷺ کو قریش مکہ کے سوالات کی وجہ سے پریشان ہونے کی ضرورت ہی نہ ہوتی بلکہ آپ یہ فرما دیتے: میں نے تو یہ سب کچھ خواب میں دیکھا ہے۔ میں

[1] مسند احمد: 309/1 والطبرانی، رقم: 12782، وسندہ صحیح۔ بحوالہ الإسراء والمعراج للألبانی، ص: 81، 82

کون سا وہاں سے ہو کر آیا ہوں جو تم مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر رہے ہو؟ لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا جس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ عالم خواب کا نہیں بلکہ عالم بیداری کا واقعہ ہے اور آپ نے اسے بیداری ہی کا واقعہ بتلایا نہ کہ روحانی کشف و مشاہدہ۔

قرآن مجید میں [رؤیا] رؤیت ہی کے معنی میں ہے۔ بعض لوگ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے استدلال کرتے ہوئے اسے خواب قرار دیتے ہیں:

﴿وَمَا جَعَلْنَا ٱلرُّءْيَا ٱلَّتِىٓ أَرَيْنَٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾

''اور جو رؤیا (خواب) ہم نے آپ کو دکھایا، اسے لوگوں کے لیے آزمائش بنا دیا۔''[1]

حالانکہ اس آیت میں رؤیا خواب کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ اس کا زیادہ استعمال اس معنی میں ہے۔ یہاں اسے آنکھوں سے دیکھنے کے معنی ہی میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اس معنی میں بھی استعمال عربی زبان میں ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: [رأیته بعینیي رؤية ورؤيا] ''میں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا''[2] یعنی آنکھوں کے ساتھ دیکھنے کو رؤیۃ اور رؤیا دونوں لفظوں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«وَجَاءَ فِي اللُّغَةِ الرُّؤْيَا بِمَعْنَى الرُّؤْيَةِ مُطْلَقًا وَّهُوَ مَعْنًى حَقِيقِيٌّ لَّهَا . . . »

''لغت میں رؤیا مطلق رؤیت (دیکھنے) کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہی اس کے حقیقی معنی ہیں، جیسے: [قربیٰ اور قربۃ] ہیں۔'' (تفسیر القاسمی)

امام قرطبی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی رؤیا، رؤیت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (تفسیر القرطبی)

علاوہ ازیں جب قرآن خود اس امر کی صراحت کر رہا ہے کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے

---

① بنی إسرآءیل 60:17

② التفسیر المنیر، ڈاکٹر وھبہ زُحیلی، ج: 15، ص: 111

آزمائش بنادیا تو لوگوں کے لیے یہ واقعہ آزمائش تو تب ہی بنے گا جب اسے آنکھوں کا مشاہدہ قرار دیا جائے گا ورنہ روحانی مشاہدے میں تو کسی کے لیے استبعاد و استعجاب کا پہلو ہی نہیں رہتا، وہ آزمائش کس طرح بن سکتا ہے؟ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت میں رؤیا سے مراد:

«هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ»

''وہ آنکھوں کا دیکھنا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو اسراء و معراج والی رات دکھایا گیا۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی اس حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ذیل میں لکھتے ہیں:

«وَاسْتَدَلَّ بِهِ عَلٰى إِطْلَاقِ لَفْظِ الرُّؤْيَا عَلٰى مَا يُرٰى بِالْعَيْنِ فِي الْيَقَظَةِ»

''اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ رؤیا کا لفظ آنکھ کے اس مشاہدے پر بھی بولا جاسکتا ہے جو عالم بیداری میں کیا جائے۔''

پھر ان لوگوں کے رد میں جو اس بات کو نہیں مانتے بلکہ وہ رؤیا کو خواب ہی کے لیے خاص کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

«وَمِمَّنِ اسْتَعْمَلَ الرُّؤْيَا فِي الْيَقَظَةِ الْمُتَنَبِيُّ فِي قَوْلِهِ: "وَرُؤْيَاكَ أَحْلٰى فِي الْعُيُونِ مِنَ الْغُمْضِ"»

''اور جن لوگوں نے عالم بیداری میں دیکھنے کے لیے رؤیا کا لفظ استعمال کیا ہے، ان میں متنبّی شاعر بھی ہے جس نے اپنے اس شعر ''اور تیرا دیکھنا نہ دیکھنے سے آنکھوں کے لیے شیریں تر ہے۔''

مُتنبّی نے اس مصرع میں رؤیا کو آنکھ کے دیکھنے کے معنی ہی میں استعمال کیا ہے۔ اور

[1] صحيح البخاري، التفسير، حديث : 4716
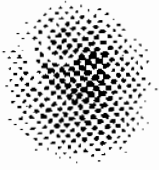
مُتَنَبِّی کا عربی زبان وادب میں جو مقام ہے، محتاجِ بیان نہیں۔

جب عربی زبان وادب اور لغت میں رؤیا، رؤیت (دیکھنے) کے معنی میں مستعمل ہے تو یقیناً آیت ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا...... ﴾ میں بھی رؤیا چشم سر کے ساتھ دیکھنے ہی کے معنی میں ہے، بالخصوص جب کہ یہ قرینہ بھی اسی معنی پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ بہت سے لوگوں کے لیے آزمائش بن گیا اور انھوں نے اس کو ماننے کی بجائے اس کی تکذیب کی۔ آزمائش کا مطلب یہی ہے کہ اس واقعے کی اعجازی شان ان کے لیے ناقابل یقین بن گئی اور وہ اپنے کفر وتکذیب میں پختہ تر ہو گئے۔

بعض راویوں کی تعبیرات سے غلط استدلال اور اس کی حقیقت

بعض حضرات نے راویوں کے اختلاف تعبیر سے بھی اس واقعے کے خواب ہونے پر استدلال کیا ہے جیسے بعض روایات میں ہے:[بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ]''ایک وقت میں سویا ہوا تھا۔'' یا حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول:[وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ]''آپ ﷺ مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے''۔ یا قصے کے آخر میں یہ فرمانا:[ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ وَاَنَا فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ]''پھر میں بیدار ہوگیا اور میں مسجد حرام میں تھا۔'' وغیرہ۔

ان سے استدلال صحیح نہیں۔ اول تو اس لیے کہ اس قسم کے الفاظ اکثر راویوں کی روایت میں نہیں ہیں بلکہ ان میں ایسے واضح الفاظ ہیں جن سے واقعے کی اعجازی شان ہی نمایاں ہوتی ہے۔ دوسرے یہ الفاظ ان معانی میں واضح نہیں ہیں جو ان سے اخذ کیے جا رہے ہیں بلکہ [نَائِم] سے مراد وہ ابتدائی حالت ہے جو فرشتوں کے آنے کے وقت رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ فرشتے جس وقت آپ کے پاس آئے تو آپ سوئے ہوئے تھے، پھر آپ کو بیدار کر کے براق پر سوار کرا کے بیت المقدس لے جایا گیا۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ سارا واقعہ ہوگیا اور آپ

سوئے ہی رہے، یعنی حالت نیند ہی میں سب کچھ ہوا۔

اسی طرح بعض روایات میں الفاظ ہیں: [بَيْنَ النَّائِمِ وَ الْيَقْظَان] ''میں نینداور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔'' یعنی فرشتے جس وقت آئے میں پوری طرح سویا نہیں تھا۔ اس کا مطلب بھی سونا نہیں بلکہ گہری نیند کی نفی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ابتدائی حالت ہی کا اظہار ہے۔

قصے کے آخر میں [ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ] ''پھر میں بیدار ہوگیا۔'' بعض راویوں کی تعبیر ہے: اسے اول تو ایک راوی شریک بن عبداللہ کا وہم قرار دیا گیا ہے۔ شریک بن عبداللہ کی روایت میں کئی غلطیاں اور اوہام ہیں جن کی صراحت ائمۂ حدیث اور شارحین حدیث نے کی ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے خود بھی اپنی صحیح میں شریک کی روایت کا حوالہ دے کر کہا:

«وَقَدَّمَ فِيهِ شَيْئًا وَّأَخَّرَ، وَزَادَ وَنَقَصَ»

''اس نے کئی چیزوں کو آگے پیچھے کر دیا اور کمی بیشی کر دی۔''[1]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«وَقَدْ جَاءَ فِي رِوَايَةِ شَرِيكٍ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ: فِي الْكِتَابِ أَوْهَامٌ أَنْكَرَهَا الْعُلَمَاءُ»

''شریک کی اس روایت میں جو اس کتاب (مسلم) میں ہے کئی اوہام ہیں جنھیں علماء نے تسلیم نہیں کیا۔''[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

① صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ......حديث : 162

② شرح نووی:209/2 ، مكتبة غزالی، دمشق

«وَقَوْلُهُ فِي حَدِيثِ شَرِيكٍ عَنْ أَنَسٍ: ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ فَإِذَا أَنَا فِي الْحِجْرِ، مَعْدُودٌ فِي غَلَطَاتِ شَرِيكٍ»

''شریک کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی، نبی ﷺ کا فرمان: ''پھر میں بیدار ہو گیا تو میں حجر میں تھا۔'' شریک کی غلطیوں میں شمار کیا گیا ہے۔''[1]

اور اپنی تفسیر میں بھی اس بات کی وضاحت کی ہے۔[2]

پھر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی ایک توجیہ یہ پیش کی ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال کو بھی یقظہ (بیداری) سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ یہاں اگر اسے اس معنی پر محمول کر لیا جائے تو غلطی ماننے سے زیادہ اچھا ہے۔ پھر اس کی انھوں نے دو مثالیں پیش کیں: ایک نبی ﷺ کی طائف سے واپسی کی جس میں آپ نے فرمایا:

«فَرَجَعْتُ مَهْمُومًا فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ»

''میں طائف سے پریشان اور مغموم لوٹا، پس مجھے قرنِ ثَعَالِب پر آ کر ہوش آیا۔''

یعنی اہل طائف کی تکذیب اور معاندانہ روش سے مجھے جو غم و حزن لاحق ہوا تھا قرن ثعالب پر پہنچ کر اس میں کمی آئی۔ اس غم و حزن کی کمی کو آپ نے ہوش میں آنے سے تعبیر فرمایا۔

ایک دوسری مثال حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ پیش کی کہ ایک صحابی حضرت ابواُسید رضی اللہ عنہ گھٹّی کے لیے اپنے نومولود بیٹے کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے نبی ﷺ کی ران مبارک پر رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گئے تو ابواُسید رضی اللہ عنہ نے آپ کی توجہ دوسری طرف دیکھ کر اپنا بچہ آپ کی گود سے اٹھا لیا۔ [ثُمَّ اسْتَيْقَظَ] پھر رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، یعنی لوگوں سے ہٹ کر ابواُسید رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے تو

[1] البداية والنهاية: 112/2

[2] دیکھیے تفسیر ابن کثیر، ج: 5، ص: 6,5

بچے کو گود میں نہ پاکر پوچھا: تو آپ کو بتلایا گیا کہ اسے آپ کی گود سے اٹھا لیا۔ پس آپ نے اس کا نام منذر تجویز فرمایا۔ اس میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال کو [إِسْتَيقَظ] سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ (البدایہ، صفحہ مذکور)

علاوہ ازیں اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ معراج سے واپس آکر سو گئے ہوں، پھر بیدار ہوئے ہوں کیونکہ آپ کا یہ سفر تو رات کے نہایت تھوڑے سے حصے میں ہو گیا تھا۔ یا [إِسْتَيْقَظْتُ، أَصْبَحْتُ] ''میں نے صبح کی'' کے معنی میں ہو۔ یا پھر اس کا مطلب ہے کہ آسمانوں کے عجائبات سے آپ پر جو بے خودی کی کیفیت طاری تھی اور مَلأِ اعلیٰ کے مشاہدات اور آیات کبریٰ کی جلوہ افروزیوں سے آپ کے قلب و دماغ میں جو سرشاری اور روحانیت و تجلیات کی جو فراوانی تھی، اس سے نکل کر اصلی بشری حالت و کیفیت میں جب آپ واپس آئے تو اس وقت آپ مسجد حرام ہی میں تھے۔ [1]

بہرحال مذکورہ تعبیرات کی یہ توجیہات جو علمائے اسلام نے کی ہیں، اس لیے ضروری ہیں تاکہ واقعۂ معراج کی تفصیلات میں مطابقت ہو جائے۔ کیونکہ یہ واقعہ چوبیس سے زیادہ صحابہ سے مروی ہے۔ اس اعتبار سے اسے تواتر معنوی کا درجہ حاصل ہے۔ اس لیے بعض راویوں کے وہم یا مخصوص تعبیر کی وجہ سے سارے واقعے کو اور اس کی اہم تفصیلات کو مشکوک قرار دیا جاسکتا ہے نہ اسے خواب قرار دے کر اس کی ساری اعجازی شان ہی کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح بعض علماء کا اختلاف روایات کی وجہ سے تعدُّدِ معراج کا قائل ہونا بھی صحیح نہیں نہ یہ راویوں کے اختلافات کا کوئی صحیح حل ہی ہے۔ اتنے عظیم اور مہتم بالشان واقعے کو جب متعدد لوگ بیان کریں گے تو واقعے کی تفصیلات میں جزوی اختلافات یا اس میں تقدیم و تاخیر

---

[1] تفسیر القاسمی، ج:10، ص:191 وفتح الباری، کتاب التوحید، ج:13، ص:587 مطبوعہ دارالسلام، الریاض

اورزیادت ونقص کا واقع ہوجانا کوئی بعید نہیں۔کسی چیز کی نقل میں متعدد راویوں کے بیانات میں ایسا باہمی اختلاف عام ہے۔ایسے موقعوں پرنفس واقعہ کا انکار کیا جاتا ہے نہ انھیں متعدد واقعات قرار دیا جاتا ہے بلکہ ان بیانات کے مشترکہ نکات اور اجزا کی روشنی میں اصل واقعہ اور اس کی ضروری تفصیلات کوتسلیم کیا جاتا ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اسراء ومعراج کی مختلف روایات ذکرکرنے کے بعد فرماتے ہیں:

«وَإِذَا حَصَلَ الْوُقُوفُ عَلٰى مَجْمُوعِ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ صَحِيحِهَا وَحَسَنِهَا وَضَعِيفِهَا، فَحَصَلَ مَضْمُونُ مَا اتَّفَقَتْ عَلَيْهِ مِنْ مَسْرٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ مَكَّةَ إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، وَإِنَّهُ مَرَّةٌ وَاحِدَةٌ وَإِنِ اخْتَلَفَتْ عِبَارَاتُ الرُّوَاةِ فِي أَدَائِهِ أَوْ زَادَ بَعْضُهُمْ أَوْ نَقَصَ مِنْهُ، فَإِنَّ الْخَطَأَ جَائِزٌ عَلٰى مَنْ عَدَا الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، وَمَنْ جَعَلَ مِنَ النَّاسِ كُلَّ رِوَايَةٍ خَالَفَتِ الْأُخْرٰى مَرَّةً عَلٰى حِدَةٍ، فَأَثْبَتَ إِسْرَاءَاتٍ مُّتَعَدِّدَةً فَقَدْ أَبْعَدَ وَأَغْرَبَ وَهَرَبَ إِلٰى غَيْرِ مَهْرَبٍ وَلَمْ يَحْصُلْ عَلٰى مَطْلَبٍ، وَقَدْ صَرَّحَ بَعْضُهُمْ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ بِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أُسْرِيَ بِهِ مَرَّةً مِّنْ مَّكَّةَ إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَطْ، وَمَرَّةً مِّنْ مَّكَّةَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَطْ، وَمَرَّةً إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَمِنْهُ إِلَى السَّمَاءِ، وَفَرِحَ بِهٰذَا الْمَسْلَكِ، وَأَنَّهُ قَدْ ظَفِرَ بِشَيْءٍ يَّتَخَلَّصُ بِهِ مِنَ الْإِشْكَالَاتِ، وَهٰذَا بَعِيدٌ جِدًّا، وَلَمْ يُنْقَلْ هٰذَا عَنْ أَحَدٍ مِّنَ السَّلَفِ، وَلَوْ تَعَدَّدَ هٰذَا التَّعَدُّدُ لَأَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِهِ أُمَّتَهُ، وَلَنَقَلَتْهُ النَّاسُ عَلَى التَّعَدُّدِ وَالتَّكَرُّرِ وَالْحَقُّ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أُسْرِيَ بِهِ يَقَظَةً لَّا مَنَامًا مِّنْ مَّكَّةَ إِلٰى

بَيْتِ الْمَقْدِسِ رَاكِبًا الْبُرَاقَ»

''جب ان احادیث کے مجموعے پر جن میں صحیح ،حسن اورضعیف روایات ہیں، انسان گہری نظر ڈالتا ہے تو اسے ان سے یہ متفقہ مضمون حاصل ہوجاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکے سے بیت المقدس تک کی سیر کی اور یہ سیر ایک ہی مرتبہ ہوئی ہے اگرچہ اس بات کی ادائیگی میں راویوں کی عبارتوں میں اختلاف ہے یا بعض نے کچھ اضافہ اور بعض نے کچھ کمی کر دی۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ سب سے غلطی ہوسکتی ہے۔ اور بعض نے ہر روایت کی بنیاد پر جو دوسری روایت سے مختلف ہے، اس کو ہر مرتبہ الگ واقعہ قرار دیا ہے اور یوں متعدد اِسْرَاءَ ات ثابت کیے ہیں تو انھوں نے یقیناً ایک دوراز کار اور عجیب بات کی ہے اور ایسی جگہ کی طرف راہ فرار اختیار کی ہے جہاں انھیں پناہ ملنی ممکن ہے نہ مطلب کا حصول۔ بعض متأخرین نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ نبی ﷺ کو ایک مرتبہ مکے سے صرف بیت المقدس تک سیر کرائی گئی اور ایک مرتبہ مکے سے صرف آسمان تک اور ایک مرتبہ بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمان تک اور اس رائے پر انھوں نے بڑا گھمنڈ کیا اور یہ تصور کیا کہ وہ ایسی چیز کے حصول میں کامیاب ہوگئے ہیں جس سے اشکالات سے نجات مل جاتی ہے۔ یہ بہت ہی بعید بات ہے اور سلف میں سے کسی سے ایسی بات منقول نہیں۔ اگر یہ واقعی متعدد واقعات ہوتے تو اس کی بابت نبی ﷺ ضرور اپنی امت کو خبر دیتے اور لوگ بھی اسے اسی تعدّد کے ساتھ نقل کرتے...... حق بات یہی ہے کہ نبی ﷺ کو بذریعہ براق مکے سے بیت المقدس تک لے جایا گیا (اور پھر وہاں سے آسمانوں پر) اور یہ سارا واقعہ عالم بیداری میں ہوا نہ کہ خواب میں۔''[1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر:40,39/5
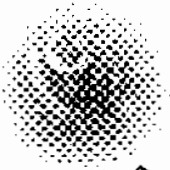
اس کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس واقعے کو تلخیص کے ساتھ پیش کیا ہے جس میں کوئی ابہام رہتا ہے نہ اختلاف و تضاد۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایۃ والنھایۃ میں لکھتے ہیں:

«وَكَانَ بَعْضُ الرُّوَاةِ يَحْذِفُ بَعْضَ الْخَبَرِ لِلْعِلْمِ بِهِ، أَوْ يَنْسَاهُ أَوْ يَذْكُرُ مَا هُوَ الْأَهَمُّ عِنْدَهُ، أَوْ يَبْسُطُ تَارَةً فَيَسُوقُهُ كُلَّهُ، وَتَارَةً يَحْذِفُ عَنْ مُّخَاطِبِهِ بِمَا هُوَ الْأَنْفَعُ عِنْدَهُ، وَمَنْ جَعَلَ كُلَّ رِوَايَةٍ إِسْرَادًا عَلٰى حِدَةٍ كَمَا تَقَدَّمَ عَنْ بَعْضِهِمْ، فَقَدْ أَبْعَدَ جِدًّا»

''اور بعض راوی خبر کا کچھ حصہ اس کی شہرت کی وجہ سے حذف کر دیتے ہیں یا وہ اسے بھول جاتے یا ان کے نزدیک جو اہم بات ہوتی ہے اسے بیان کر دیتے ہیں یا بعض دفعہ تفصیل سے سب کچھ بیان کر دیتے ہیں اور کبھی مخاطب کے اعتبار سے حذف کر کے جو بات اس کے نزدیک زیادہ مفید ہوتی ہے اسے بیان کر دیتے ہیں اور جس نے ہر روایت کی بنیاد پر اسے علیحدہ قصہ قرار دیا ہے جیسا کہ بعض کا قول گزرا تو وہ واقعی دور کی کوڑی لایا ہے۔''[1]

حضرت عائشہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب اقوال کی حقیقت

بعض لوگ حضرت معاویہ اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب اقوال سے استدلال کرتے ہوئے واقعۂ معراج کو روحانی مشاہدہ ثابت کرتے ہیں۔ یہ دونوں قول حسب ذیل ہیں:

«يَعْقُوبُ بْنُ عُتْبَةَ أَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ كَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ مَّسْرٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: كَانَتْ رُؤْيَا مِنَ اللهِ صَادِقَةً»

---

① البداية: 115/2

''یعقوب بن عتبہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی بابت سوال کیا جاتا تو وہ فرماتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک سچا خواب تھا۔''

«عَنْ مُّحَمَّدٍ (بْنِ إِسْحَاقَ) قَالَ حَدَّثَنِي بَعْضُ آلِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ عَائِشَةَ كَانَتْ تَقُولُ: مَا فَقَدَ جَسَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلٰكِنَّ اللهَ أَسْرٰى بِرُوحِهِ»

''محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ مجھ سے بعض آل ابی بکر نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک مفقود نہیں ہوا لیکن اللہ آپ کی روح کو لے گیا۔''[1]

پہلی روایت تو منقطع ہے، یعقوب بن عتبہ کی حضرت معاویہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں۔ اور دوسری روایت میں بعض آل ابی بکر مجہول ہے آل ابی بکر کا کوئی شخص کون ہے؟ اس کا کوئی پتہ نہیں۔ اس لیے سند کے اعتبار سے یہ دونوں قول پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان ہی نہیں تھے، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت بالکل بچی تھیں۔ اس اعتبار سے بھی اس واقعے کی بابت ان کی رائے کو کیسے مستند کہا جاسکتا ہے؟ بہرحال کسی اعتبار سے بھی یہ دونوں قول قابلِ استدلال نہیں۔ چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«وَقَدِ اعْتَرَضَ قَوْلَ عَائِشَةَ وَمُعَاوِيَةَ، بِأَنَّهَا كَانَتْ صَغِيرَةً لَّمْ تُشَاهِدْ وَلَا حَدَّثَتْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَكَانَ كَافِرًا فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ غَيْرَ مُشَاهِدٍ لِّلْحَالِ وَلَمْ يُحَدِّثْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ»

''حضرت عائشہ و معاویہ رضی اللہ عنہما کے اقوال پر اعتراض کیا گیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس

[1] تفسیر ابن جریر طبری، سورۃ الاسراء: 16/9

وقت بچی تھیں، انھوں نے تو اس وقت کا مشاہدہ ہی نہیں کیا اور نہ یہ بات انھوں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے بیان کی ہے۔ اسی طرح معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت کافر تھے، وہ بھی اس وقت کے حالات کا مشاہدہ کرنے والے نہ تھے اور نہ انھوں نے یہ بات نبی ﷺ ہی سے بیان کی ہے۔''[1]

علمائے اسلام، محدثین اور مفسرین امت کی صراحت

یہی وجہ ہے کہ واقعے کی روایات میں بعض جزوی اختلافات کے باوجود جمہور علمائے اسلام نے اسراء و معراج کو اسی طرح تسلیم کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث میں اس کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

«وَقَدِ اخْتَلَفَ السَّلَفُ بِحَسْبِ اخْتِلَافِ الْأَخْبَارِ الْوَارِدَةِ: فَمِنْهُمْ مَّنْ ذَهَبَ إِلٰى أَنَّ الْإِسْرَاءَ وَالْمِعْرَاجَ وَقَعَا فِي لَيْلَةٍ وَّاحِدَةٍ فِي الْيَقْظَةِ بِجَسَدِ النَّبِيِّ ﷺ وَرُوحِهِ بَعْدَ الْمَبْعَثِ، وَإِلٰى هٰذَا ذَهَبَ الْجُمْهُورُ مِنْ عُلَمَاءِ الْمُحَدِّثِينَ وَالْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ وَتَوَارَدَتْ عَلَيْهِ ظَوَاهِرُ الْأَخْبَارِ الصَّحِيحَةِ، وَلَا يَنْبَغِي الْعُدُولُ عَنْ ذٰلِكَ، إِذْ لَيْسَ فِي الْعَقْلِ مَا يُحِيلُهُ حَتّٰى يَحْتَاجَ إِلٰى تَأْوِيلٍ»

''سلف میں روایات کے اختلاف کی وجہ سے کچھ اختلاف ہے۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اسراء و معراج دونوں ایک ہی رات میں، عالم بیداری میں نبی ﷺ کی روح اور بدن کے ساتھ آپ کی بعثت کے بعد واقع

[1] تفسیر القرطبی، سورۃ الاسراء: 209/10

ہوئے ہیں۔ جمہور علمائے محدثین، فقہاء اور متکلمین کا یہی مسلک ہے۔ احادیث صحیحہ کا ظاہر بھی اس کے مطابق وارد ہے، اس سے انحراف جائز نہیں۔ اس لیے کہ عقلی طور پر اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو اسے ناممکن قرار دے سکے حتیٰ کہ اُس کے لیے تاویل کی ضرورت ہو۔''[1]

قاضی عیاض رحمہ اللہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

«وَذَهَبَ مُعْظَمُ السَّلَفِ وَالْمُسْلِمِينَ إِلٰى أَنَّهُ إِسْرَاءٌ بِالْجَسَدِ وَفِي الْيَقَظَةِ وَهٰذَا هُوَ الْحَقُّ»

''سلف اور مسلمانوں کی اکثریت کا مسلک یہی ہے کہ یہ اسراء و معراج کا واقعہ جسمانی تھا اور عالم بیداری میں ہوا اور یہی حق ہے۔''

حضرات ابن عباس، جابر، انس، حذیفہ، عمر، ابوہریرہ، مالک بن صعصعہ، ابوحبہ بدری اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اسی کے قائل ہیں (اور تابعین میں سے) ضحاک، سعید بن جبیر، قتادہ، ابن مسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم، مسروق، مجاہد، عکرمہ، اور ابن جریج رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور یہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی دلیل ہے اور یہی امام طبری، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت کا قول ہے اور یہی اکثر متأخر فقہاء، محدثین، متکلمین اور مفسرین کا قول ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ اس کے بعد ایک اختلافی رائے لکھتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں:

«وَالْحَقُّ فِي هٰذَا وَالصَّحِيحُ، إِنْ شَاءَ اللهُ، أَنَّهُ إِسْرَاءٌ بِالْجَسَدِ وَالرُّوحِ فِي الْقِصَّةِ كُلِّهَا وَعَلَيْهِ تَدُلُّ الآيَةُ وَصَحِيحُ الْأَخْبَارِ وَالْإِعْتِبَارُ، وَلَا يَعْدِلُ عَنِ الظَّاهِرِ وَالْحَقِيقَةِ إِلَى التَّأْوِيلِ إِلَّا

[1] فتح الباری، مناقب الأنصار: 247/7

عِنْدَ الْاِسْتِحَالَةِ، وَلَيْسَ فِي الْإِسْرَاءِ بِجَسَدِهِ وَحَالِ يَقَظَتِهِ اِسْتِحَالَةٌ، إِذْ لَوْ كَانَ مَنَامًا لَّقَالَ: "بِرُوحِ عَبْدِهِ" وَلَمْ يَقُلْ "بِعَبْدِهِ" وَقَوْلُهُ: "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى" وَلَوْ كَانَ مَنَامًا لَّمَا كَانَتْ فِيهِ آيَةٌ وَّلَا مُعْجِزَةٌ وَّلَمَا اسْتَبْعَدَهُ الْكُفَّارُ وَلَا كَذَّبُوهُ وَلَا ارْتَدَّ بِهِ ضُعَفَاءُ مَنْ أَسْلَمَ وَافْتَتَنُوا بِهِ، إِذْ مِثْلُ هٰذَا مِنَ الْمَنَامَاتِ لَا يُنْكَرُ، بَلْ لَمْ يَكُن ذٰلِكَ مِنْهُم إِلَّا وَقَدْ عَلِمُوا أَنَّ خَبَرَهُ إِنَّمَا كَانَ عَنْ جِسْمِهِ وَحَالِ يَقَظَتِهِ»

''اس بارے میں حق اور صحیح بات ان شاء اللہ یہی ہے کہ اسراء ومعراج کا سارا واقعہ جسم اور روح کے ساتھ پیش آیا ہے۔ اسی پر آیت قرآنی اور صحیح ومعتبر روایات دلالت کرتی ہیں اور ظاہر اور حقیقت سے تاویل کی طرف انحراف اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ عقلی لحاظ سے محال نہ ہو اور معراج کا جسمانی اور حالت بیداری میں ہونا کوئی امر محال نہیں۔ اس لیے کہ یہ اگر خواب ہوتا تو اللہ تعالیٰ [أسریٰ بِرُوحِ عَبْدِهِ] ''اللہ اپنے بندے کی روح لے گیا'' فرماتا، [أسریٰ بعبده] ''اپنے بندے کو لے گیا'' نہ فرماتا اور اللہ تعالیٰ (سورۂ نجم میں) یہ بھی نہ فرماتا: ''نہ نگاہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔'' اور اگر یہ خواب ہوتا تو پھر یہ کوئی نشانی ہوتا نہ معجزہ۔ اور نہ کافر اسے ناممکن سمجھ کر اس کی تکذیب کرتے اور نہ ضعیف الایمان (نئے نئے مسلمان) مرتد ہوتے اور اس کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہوتے۔ اس لیے کہ اس قسم کے خوابوں کا انکار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ان کی طرف سے انکار اسی وقت ہوا جب ان کو معلوم ہوا کہ آپ ان کو یہی بتلا رہے ہیں کہ سیر جسمانی تھی اور عالم بیداری میں ہوئی۔''[1]

[1] تفسیر القاسمی: 10/189-190

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ مختلف آراء ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت محمد ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔ جیسا کہ اللہ نے (سورۂ بنی اسرائیل میں) اپنے بندوں کو خبر دی ہے۔ اور جیسا کہ اس کی بابت رسول اللہ ﷺ سے متعدد احادیث منقول ہیں جن میں صراحت ہے کہ اللہ نے آپ کو براق پر سوار کرایا۔ وہاں آپ نے انبیاء و رسل کو نماز پڑھائی اور اللہ نے آپ کو بہت سی نشانیاں دکھائیں اور اس رائے کی کوئی حیثیت نہیں کہ سیر آپ کی روح کو کرائی گئی نہ کہ جسم کو۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر اس میں ایسی کوئی بات ہی نہ ہوتی جو آپ کی نبوت کی دلیل کی موجب ہوتی، نہ آپ کی رسالت پر حجت ہوتی اور نہ مشرکین میں سے وہ لوگ ہوتے جنھوں نے اس حقیقت کا انکار کیا۔

اس لیے کہ خواب ان کے نزدیک قابل انکار ہی نہ ہوتا۔ بلکہ انسانوں میں سے کوئی ایک بھی فطرت صحیحہ کا حامل ایسا نہیں ہے کہ جو اس بات کا انکار کرے کہ ان میں سے کوئی خواب دیکھنے والا خواب میں دیکھے کہ اس نے اتنی لمبی سیر کی جس کی مسافت ایک سال ہے۔ تو پھر اس سیر کا انکار کیسے کیا جاسکتا تھا جس کی مسافت ایک مہینہ یا اس سے بھی کم تھی؟ علاوہ ازیں اللہ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے: ﴿أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ﴾ ''کہ اس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔'' اس نے یہ نہیں فرمایا: [أَسْرَىٰ بِرُوحِ عَبْدِهِ] ''کہ اس نے اپنے بندے کی روح کو سیر کرائی۔'' اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ کے قول سے تجاوز کر کے کسی اور بات کی طرف جائے۔ اللہ کے کلام میں ایسا کوئی قرینہ نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ اللہ کے فرمان ﴿أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ﴾ سے مراد [أَسْرَىٰ بِرُوحِ عَبْدِهِ] ہے۔ بلکہ واضح دلائل اور رسول اللہ ﷺ کی متواتر

روایات اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ نے آپ کو ایک چوپائے پر سیر کرائی جسے براق کہا جاتا ہے۔ اگر یہ سیر روحانی ہوتی تو روح کو براق پر سوار نہ کرایا جاتا، اس لیے کہ جانور جسموں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں نہ کہ روحوں کو......''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اسراء و معراج کی بابت اختلاف ہے کہ یہ واقعہ جسمانی تھا یا روحانی؟ اکثر علماء کا مذہب یہی ہے کہ یہ جسمانی اور عالم بیداری کا واقعہ ہے نہ کہ نیند کا۔ تاہم یہ بعید نہیں کہ اس سے قبل رسول اللہ ﷺ نے خواب میں بھی ایسا دیکھا ہو، پھر اس کے بعد بیداری میں بھی آپ نے دیکھ لیا۔ اس لیے کہ نبی ﷺ جو بھی خواب دیکھتے تھے، وہ سپیدۂ صبح کی طرح ظہور پذیر ہو جاتا تھا۔ اور اس کے جسمانی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ﴾ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح صرف اسی وقت کہی جاتی ہے جب بڑے واقعات ہوں۔ اگر یہ خواب ہوتا تو یہ کوئی بڑی چیز ہوتا نہ عظیم واقعہ، نہ کفار قریش اس کی تکذیب میں جلدی کرتے اور نہ کچھ (ضعیف الایمان) مسلمان مرتد ہوتے۔ علاوہ ازیں [عَبۡد] روح اور جسم کا مجموعہ ہوتا ہے اور اللہ نے ﴿أَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَیۡلًا﴾ فرمایا ہے (یعنی عبد ہی کا لفظ استعمال فرمایا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ﴿وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ﴾ اس کی بابت صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو کرایا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿مَازَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی﴾ ''نہ نگاہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔'' اور آنکھ جسمانی آلات میں سے ہے نہ کہ روح کے۔ نیز نبی ﷺ کو براق پر سوار کرایا گیا اور یہ سفید

---

[1] تفسیر الطبری، سورۃ بنی إسرآئیل، ج: 15، ص: 16، 17 مطبوعہ دارالفکر بیروت

براق چمک دمک والا جانور ہے جو صرف بدن (کی سواری) کے لیے ہوتا ہے نہ کہ روح کی، اس لیے کہ روح تو سوار ہونے کے لیے کسی سواری کی محتاج ہی نہیں۔'' [1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ ایک اور بزرگ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حافظ ابو الخطاب عمر بن دحیہ نے اپنی کتاب ''التنویر فی مولد السراج المنیر'' میں اسراء و معراج کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طریق سے بیان کی ہے اور اس پر بہت مفید اور عمدہ گفتگو کی ہے، پھر کہا ہے کہ اسراء کی روایات تواتر سے منقول ہیں اور ان کے حسب ذیل راوی ہیں:

حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، ابن مسعود، ابوذر، مالک بن صعصعہ، ابو ہریرہ، ابوسعید، ابن عباس، شداد بن اوس، ابی بن کعب، عبدالرحمٰن بن قرط، ابوحبہ انصاری، ابولیلیٰ انصاری، عبداللہ بن عمرو، جابر، حذیفہ، بریدہ، ابوایوب، ابوامامہ، سمرہ بن جندب، ابوالحمراء، صہیب رومی، ام ہانی، ابوبکر صدیق کی دو بیٹیاں عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے بعض نے اسے تفصیل سے اور بعض نے اختصار سے بیان کیا ہے جیسا کہ مسانید میں واقع ہے۔ ان میں سے بعض کی روایت اگرچہ صحت کی شرط کو پورا نہیں کرتی لیکن اسراء و معراج کی حدیث ایسی ہے کہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس پر ملحد زنادقہ ہی نے اعتراض کیا ہے ﴿یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوا نُوْرَاللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْکَافِرُوْنَ﴾ [2]

امام قرطبی رحمہ اللہ کی جستہ جستہ عبارتیں حسب ذیل ہیں:

«ثَبَتَ الْإِسْرَاءُ فِي جَمِيعِ مُصَنَّفَاتِ الْحَدِيثِ، وَرُوِيَ عَنِ الصَّحَابَةِ فِي كُلِّ أَقْطَارِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ مِنَ الْمُتَوَاتِرِ بِهٰذَا الْوَجْهِ،

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج: 5، ص: 40، 41 مکتب الشعب، القاھرہ

[2] تفسیر ابن کثیر، ج: 5، ص: 42

وَذَهَبَ مُعْظَمُ السَّلَفِ وَالْمُسْلِمِينَ إِلٰى أَنَّهُ كَانَ إِسْرَاءٌ بِالْجَسَدِ وَفِي الْيَقَظَةِ وَأَنَّهُ رَكِبَ الْبُرَاقَ بِمَكَّةَ وَوَصَلَ إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَصَلَّى فِيهِ ثُمَّ أُسْرِيَ بِجَسَدِهِ، وَعَلٰى هٰذَا تَدُلُّ الْأَخْبَارُ الَّتِي أَشَرْنَا إِلَيْهَا وَالآيَةُ، وَلَيْسَ فِي الْإِسْرَاءِ بِجَسَدِهِ وَحَالِ يَقَظَتِهِ اِسْتِحَالَةٌ وَّلَا يَعْدِلُ عَنِ الظَّاهِرِ وَالْحَقِيقَةِ إِلَى التَّأْوِيلِ إِلَّا عِنْدَ الْإِسْتَحَالَةِ، وَفِي نُصُوصِ الْأَخْبَارِ الثَّابِتَةِ دَلَالَةٌ وَّاضِحَةٌ عَلٰى أَنَّ الْإِسْرَاءَ كَانَ بِالْبَدَنِ، وَإِذَا وَرَدَ الْخَبَرُ بِشَيْءٍ هُوَ مُجَوَّزٌ فِي الْعَقْلِ فِي قُدْرَةِ اللهِ تَعَالٰى فَلَا طَرِيقَ إِلَى الْإِنْكَارِ»

''اسراء ومعراج کا واقعہ احادیث کی تمام مُصَنّفات میں موجود اور ثابت ہے اور اسلامی علاقوں میں پھیلے ہوئے صحابہ سے مروی ہے۔ اس لحاظ سے اسے تواتر کا درجہ حاصل ہے...... اور سلف اور مسلمانوں کی اکثریت یہی رائے رکھتی ہے کہ یہ واقعہ جسمانی اور بیداری کا ہے۔ آپ مکے سے براق پر سوار ہوئے اور بیت المقدس پہنچے اور وہاں آپ نے نماز پڑھی اور وہاں سے آپ کو روح اور بدن سمیت آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ اسی بات پر وہ احادیث دلالت کرتی ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور قرآن کریم کی آیت بھی۔ اور اس واقعے کا جسمانی اور بیداری میں ہونا، عقلاً ناممکن نہیں ہے۔ اور ظاہر اور حقیقت سے تاویل کی طرف پھیرنا اسی وقت ضروری ہوتا ہے جب وہ عقلاً ناممکن ہو...... اور ثابت شدہ احادیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ یہ واقعہ جسمانی تھا اور جب حدیث کسی ایسی چیز کی بابت وارد ہو جو عقلاً اللہ کی قدرت میں جائز ہو تو اس کے انکار کا کوئی جواز نہیں ہے۔''[1]

[1] تفسیر القرطبی:209,208,205/10

باب:2
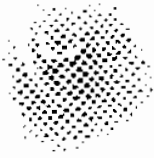
اب ہم واقعۂ معراج کو صحیح احادیث کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔ حسن اتفاق سے اصل واقعے کی بیشتر تفصیلات صحیحین (بخاری و مسلم) میں بیان ہوئی ہیں۔ صحیح بخاری میں چار مقامات پر یہ واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے:

- كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة في الإسراء حديث:349
- كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة ، حديث:3207-
- كتاب مناقب الأنصار، باب المعراج، حديث:3887-
- كتاب التوحيد ، باب ماجاء فی قوله عزوجل:﴿وكلم الله موسى تكليمًا﴾ حديث:7515-

علاوہ ازیں دیگر مقامات پر اس کی کچھ جزئیات بیان ہوئی ہیں، جیسے:

- كتاب مناقب الأنصار، باب حديث الإسراء ، حديث:3886-
- كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ :﴿وهل اتاك حديث موسى﴾ حديث:3394-3396-
- كتاب التفسير، باب اسرىٰ بعبده ليلاً من المسجد الحرام، حديث:4709،4710-
- تفسير سورة النجم، حديث:4855-4858-

● صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰہ ﷺ الی السمٰوات وفرض الصلوات۔

یہ روایات مختلف راویوں سے ہیں، اس لیے ان کی بیان کردہ بعض تفصیلات ایک دوسرے سے مختلف ہیں جیسا کہ اس سے قبل اس طرف ہم اشارہ کر آئے ہیں۔ اور ایک عظیم واقعے کی تفصیلات جب مختلف لوگ بیان کرتے ہیں تو بالعموم ایسا ہوتا ہے، اس لیے اگر اسراء و معراج کے راویوں کے بیانات میں بھی بعض اختلافات اور کچھ اوہام پائے جاتے ہیں تو اس کی وجہ سے نفس واقعہ کی اسنادی حیثیت پر اثر نہیں پڑتا۔ ائمۂ حدیث اور شارحین حدیث نے ان اختلافات و اوہام کی وضاحت بھی کر دی ہے اور جن کے درمیان جمع و تطبیق ممکن تھی، ان کا حل بھی پیش کر دیا ہے جس کے بعد اصل واقعہ واضح اور بے غبار ہو جاتا ہے۔

اب ہم صحیح بخاری کی اس روایت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جو حضرت انس بن مالک، مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے انھیں اس رات کی بابت بتلایا جس میں آپ کو معراج کرائی گئی، آپ نے فرمایا: '' میں ایک وقت حطیم میں (بعض دفعہ آپ نے فرمایا، حجر میں) لیٹا ہوا تھا (حطیم اور حجر ایک ہی جگہ کا نام ہے یہ وہ حصہ ہے جو قریش نے سرمایے کی کمی کی وجہ سے بیت اللہ کے طول میں چھوڑ دیا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں شامل تھا) کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے میرا پیٹ سینے سے ناف تک چاک کیا اور میرا دل باہر نکالا، پھر میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان و حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ میرے دل کو دھویا گیا اور اسے (ایمان و حکمت سے) بھر کر پھر اپنی جگہ لوٹا دیا گیا، پھر ایک سفید جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا، وہ براق تھا، وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں اس کی نگاہ کی آخری حد ہوتی۔ مجھے اس پر سوار کرا دیا گیا اور جبریل مجھے اپنے ساتھ لے چلے
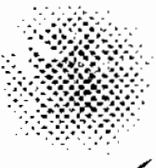
یہاں تک کہ پہلے آسمان (آسمان دنیا) پر ہم پہنچ گئے۔ جبریل نے دروازہ کھولنے کو کہا، پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: اور تمھارے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے کہا: محمد (ﷺ) ہیں۔ پوچھا گیا: کیا انھیں پیغام دے کر بلوایا گیا ہے؟ جبریل نے کہا: ہاں! کہا گیا: انھیں خوش آمدید! کیا ہی مبارک آنے والے ہیں وہ۔ اور (دربان نے) دروازہ کھول دیا۔ جب میں نے آسمان پر قدم رکھا تو دیکھا وہاں آدم (علیہ السلام) ہیں۔ جبریل نے کہا: یہ آپ کے باپ آدم ہیں، انھیں سلام کریں۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: خوش آمدید! نیک بیٹے اور نیک پیغمبر!

پھر جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر دوسرے آسمان پر چڑھے اور اس کا دروازہ کھولنے کو کہا۔ کہا گیا: کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ کہا گیا: تمھارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد (ﷺ) ہیں۔ پوچھا گیا: کیا انھیں پیغام دے کر بلوایا گیا ہے؟ جبریل (علیہ السلام) نے کہا: ہاں! کہا گیا: خوش آمدید! پس آنے والا، جو آیا، کیا اچھا ہے؟ اور دروازہ کھول دیا۔ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں یحییٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) تھے جو دونوں خالہ زاد ہیں۔ جبریل (علیہ السلام) نے کہا: یہ یحییٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) ہیں، انھیں سلام کریں۔ میں نے انھیں سلام کیا۔ ان دونوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: خوش آمدید! برادر صالح اور پیغمبر صالح۔

پھر جبریل مجھے تیسرے آسمان پر لے کر چڑھے اور دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ کہا گیا: اور تمھارے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد (ﷺ) ہیں۔ کہا گیا: کیا انھیں پیغام دے کر بلوایا گیا ہے؟ جبریل (علیہ السلام) نے کہا: ہاں! کہا گیا: خوش آمدید! پس آنے والا جو آیا، کیا اچھا ہے؟ اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہاں یوسف (علیہ السلام) تھے۔ جبریل (علیہ السلام) نے کہا: یہ یوسف ہیں، انھیں سلام کریں۔ میں نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور کہا: خوش آمدید! برادر صالح اور پیغمبر صالح!

پھر جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر چڑھے یہاں تک کہ چوتھے آسمان پر آ گئے۔ پس دروازہ کھولنے کو کہا۔ پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ پوچھا گیا: اور تمھارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ کہا گیا: کیا انھیں پیغام دے کر بلوایا گیا ہے؟ جبریل (علیہ السلام) نے کہا: ہاں! کہا گیا: خوش آمدید! پس آنے والا جو آیا، کیا اچھا ہے؟ اور دروازہ کھول دیا گیا۔ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ادریس (علیہ السلام) تھے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ ادریس (علیہ السلام) ہیں انھیں سلام کریں۔ میں نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: خوش آمدید! برادر صالح اور پیغمبر صالح!

پھر جبریل (علیہ السلام) مجھے لے کر چڑھے حتیٰ کہ پانچویں آسمان پر پہنچ گئے۔ تب انھوں نے دروازہ کھولنے کو کہا۔ کہا گیا: کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ کہا گیا: اور تمھارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ کہا گیا: کیا انھیں پیغام دے کر بلوایا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں! کہا گیا: خوش آمدید، پس آنے والا جو آیا، کیا اچھا ہے؟ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ہارون (علیہ السلام) تھے۔ جبریل (علیہ السلام) نے کہا: یہ ہارون (علیہ السلام) ہیں، انھیں سلام کریں۔ میں نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: خوش آمدید! برادر صالح اور پیغمبر صالح!

پھر جبریل مجھے لے کر چڑھے حتیٰ کہ چھٹے آسمان پر آ گئے۔ تب انھوں نے دروازہ کھولنے کو کہا۔ کہا گیا: کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ کہا گیا: تمھارے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ کہا گیا: کیا انھیں پیغام دے کر بلوایا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں! کہا: خوش آمدید! پس آنے والا جو آیا، کیا اچھا ہے؟ جب میں اندر پہنچا تو وہاں موسیٰ (علیہ السلام) تھے۔ جبریل (علیہ السلام) نے کہا: یہ موسیٰ (علیہ السلام) ہیں، انھیں سلام کریں۔ میں نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور کہا: خوش آمدید! برادر صالح اور پیغمبر صالح!

جب میں وہاں سے آگے گیا تو موسیٰ (علیہ السلام) رو پڑے۔ ان سے پوچھا گیا: آپ کیوں

روتے ہیں؟ انھوں نے کہا: میں اس لیے روتا ہوں کہ یہ لڑکا جو میرے بعد نبی بنا کر بھیجا گیا، اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ (تعداد میں) جنت میں جائیں گے۔

پھر جبریل (علیہ السلام) مجھے ساتویں آسمان پر لے کر چڑھے اور انھوں نے دروازہ کھولنے کو کہا، پوچھا گیا: کون ہے؟ کہا: میں جبریل ہوں۔ کہا گیا: اور تمھارے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے کہا: محمد (ﷺ) ہیں۔ کہا گیا: کیا ان کی طرف (یہاں آنے کا) پیغام بھیجا گیا تھا؟ کہا: ہاں! کہا: خوش آمدید اور کیا اچھا ہے آنے والا جو آیا۔ جب میں اندر پہنچا تو وہاں ابراہیم (علیہ السلام) تھے۔ جبریل (علیہ السلام) نے کہا: یہ آپ کے باپ ہیں، انھیں سلام کریں۔ میں نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا: خوش آمدید! نیک بیٹے اور نیک پیغمبر!

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف اُٹھایا گیا تو اس کا پھل (بیر) ہَجَر ''شہر'' کے مٹکوں جیسا تھا اور اس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں جیسے تھے۔ جبریل (علیہ السلام) نے کہا: یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔

وہاں چار نہریں تھیں، دو نہریں (جنت کے) اندر اور دو نہریں باہر۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ دو نہریں کیا ہیں؟ جبریل (علیہ السلام) نے کہا: دو باطن والی نہریں، وہ جنت میں ہیں اور جو دو نہریں ظاہر ہیں، وہ نیل اور فرات ہیں۔

پھر میرے لیے بیت المعمور بلند کیا گیا، پھر میرے لیے تین برتن لائے گئے ایک شراب کا دوسرا دودھ کا تیسرا شہد کا۔ میں نے ان میں سے دودھ کا پیالہ لے لیا تو جبریل (علیہ السلام) نے کہا: یہ وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔

پھر مجھ پر ایک (رات اور) دن میں پچاس نمازیں فرض کر دی گئیں۔ جب میں واپس لوٹا اور دوبارہ موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا تو انھوں نے پوچھا: آپ کو کیا حکم دیا گیا ہے؟ (میں نے) کہا: مجھے ہر روز پچاس نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: آپ کی امت روزانہ پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ اللہ کی قسم! میں

آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنو اسرائیل کو خوب اچھی طرح آزما چکا ہوں۔ پس آپ اپنے رب کے پاس دوبارہ جائیں اور اس سے اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں، چنانچہ میں دوبارہ واپس آیا تو اللہ نے مجھ پر دس نمازیں کم کر دیں۔ میں جب موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا تو انھوں نے پھر پہلی والی باتیں کیں، چنانچہ میں پھر واپس گیا، تو اللہ نے دس نمازیں اور کم کر دیں۔ میں پھر موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا تو انھوں نے پھر وہی باتیں کیں۔ میں پھر واپس گیا تو مجھے روزانہ دس نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا تو انھوں نے پھر وہی باتیں کیں۔ میں پھر واپس گیا تو مجھے پانچ نمازیں روزانہ پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ میں موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا: اب آپ کو کیا حکم دیا گیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے پانچ نمازیں روزانہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: آپ کی امت روزانہ پانچ نمازیں بھی نہیں پڑھ سکے گی۔ میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور میں بنو اسرائیل کو خوب آزما چکا ہوں، پس آپ اپنے رب کے پاس جائیں اور اس سے اپنی اُمت کے لیے مزید تخفیف کا سوال کریں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: میں بار بار اپنے رب سے سوال کر بیٹھا ہوں حتیٰ کہ اب مجھے شرم آ رہی ہے۔ اس لیے اب میں اسی پر راضی ہوں اور اسے ہی تسلیم کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: جب میں کچھ آگے گیا تو ایک منادی نے بہ آواز بلند کہا: میں نے اپنا فریضہ جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔''[1]

حدیث کی توضیح، راویوں کے اختلافات کا حل اور جشن معراج کی حقیقت

① یہ معراج کب ہوئی؟ اس میں خاصا اختلاف ہے (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے) اس

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب المعراج، حديث: 3887
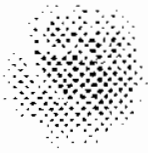
کی بابت دس سے زیادہ اقوال ہیں، تاہم زیادہ مشہور رجب کی ستائیسویں شب ہے اور یہ ہجرت سے چند (دو تین) سال قبل کا واقعہ ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ عہد رسالت و عہد صحابہ و تابعین میں جو اسلام کے سب سے بہترین ادوار ہیں۔ (اسی لیے حدیث میں ان تینوں ادوار کو خیر القرون سے تعبیر کیا گیا ہے) کسی بھی قسم کا جشن منانے کا رواج نہیں تھا کیونکہ اسلامی تعلیمات میں اس قسم کی باتوں کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معراج کی تاریخ و قوع میں اتنا اختلاف ہے۔ اگر خیر القرون میں جشن معراج یا جشن شب معراج وغیرہ منایا جاتا تو اس کی تاریخ میں قطعاً اختلاف نہ ہوتا۔ اور اسی طرح خصوصی عبادت کا اہتمام کرنا بھی درست نہیں۔

② جب فرشتے نبی ﷺ کو لینے کے لیے آئے، اس وقت آپ کہاں تھے؟ بعض روایات میں ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر پر تھے بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا، میرے گھر کی چھت کھلی۔ بعض میں حجر یا حطیم میں ہونے کا ذکر ہے۔ حجر یا حطیم تو ایک ہی جگہ کے دو نام ہیں اور یہ خانہ کعبہ کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جو قریش مکہ نے حضرت ابراہیم کے تعمیر کردہ بیت اللہ کا حصہ، طول میں، سرمائے کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ آپ ام ہانی کے گھر سوئے ہوئے تھے۔ ام ہانی ہی کے گھر کو آپ نے اپنا گھر اس لیے کہا کہ آپ وہیں سکونت پذیر تھے۔ وہاں فرشتہ آیا اور آپ کو وہاں سے خانہ کعبہ لے گیا جہاں آپ لیٹ گئے۔

③ اسی طرح بعض روایات میں ہے کہ آپ سوئے ہوئے تھے اور بعض میں سونے اور جاگنے کے درمیان ہونے کا ذکر ہے۔ تاہم ''سوئے ہوئے ہونا'' کا ذکر صرف شریک کی روایت میں ہے جسے اس کے اوہام میں شمار کیا گیا ہے۔ اس لیے صحیح بات یہ ہے جو سب راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ لیٹے ہوئے تھے، ابھی سوئے نہیں تھے۔ سونے کی نیت سے لیٹے ہوئے تھے۔ اسی بات کو ''سونے اور جاگنے کے درمیان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

④ اس روایت میں بیت المقدس کا ذکر نہیں ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ براق ہی پر آپ کو آسمانوں پر لے جایا گیا لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ دوسری روایات میں صراحت ہے کہ پہلے آپ براق پر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے براق کو اسی کھونٹی وغیرہ سے باندھ دیا جس میں دوسرے انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ ①

آسمانوں سے آپ پھر بیت المقدس واپس آئے اور اسی براق کے ذریعے سے مکہ تشریف لائے۔ بعض صحیح روایات میں یہ اضافہ ہے: جب سواری کے لیے براق آپ کے پاس لایا گیا تو وہ شوخی کرنے لگا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس سے کہا: کیا تو محمد (ﷺ) کے ساتھ اس طرح کر رہا ہے؟ [فَمَا رَكِبَكَ اَحَدٌ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْهُ] ''تجھے معلوم نہیں کہ اس سے پہلے تجھ پر کوئی آدمی ایسا سوار نہیں ہوا جو اللہ کے ہاں ان سے زیادہ معزز ہو۔'' براق یہ بات سن کر پسینے پسینے ہو گیا۔ ②

علاوہ ازیں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کے لیے سواری کا انتظام، یہ بھی نبی ﷺ کے اعزاز و تکریم کے لیے تھا، ورنہ اللہ تعالیٰ اس کے بغیر بھی اس بات پر قادر تھا کہ وہ آپ کو بیت المقدس پہنچا دیتا۔ فرشتے کے ذریعے سے یا زمین کا فاصلہ سمیٹ کر یا کسی اور طریقے سے۔ لیکن سواری بھیج کر آپ کو وہاں لے جانے میں آپ کا شرف و اعجاز تھا جیسے بادشاہ کسی معزز شخصیت کو اپنے دربار میں بلاتا ہے تو وہ اس کی شخصیت کے احترام و اعزاز میں اسی قسم کا اہتمام کرتا ہے۔

یہی حکمت آپ کے شق صدر (سینہ چاکی) میں ہے کہ پیٹ چیر کر آپ کا دل دھویا گیا، پھر اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے بغیر بھی آپ کے دل کو

① صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ، حديث : 162

② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة بني إسرآئيل، حديث : 3131

ایمان وحکمت سے بھر سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ دکھلا کر کہ سینہ چاک کر کے دل باہر نکال دیا گیا لیکن آپ کی موت واقع ہوئی نہ کوئی تکلیف۔ اس سے حکمت وایمان میں اضافے کے ساتھ آپ کی قوت یقین میں بھی اضافہ ہوا اور آپ کے اندر یہ اعتماد پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر پر خطر مقام پر آپ کا محافظ، مددگار اور دست گیر ہوگا۔ اس یقین و اعتماد علی اللہ نے آپ کو [اَشْجَعُ النَّاسِ] ''سب سے زیادہ بہادر'' بنادیا تھا۔[1]

⑤ بیت المقدس میں آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے بھی آپ کی امامت میں آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ بعض ائمہ کی رائے میں آپ نے بیت المقدس میں نماز آسمان سے واپسی پر پڑھی۔ انبیاء علیہم السلام بھی آپ کے ساتھ ہی آسمانوں سے اترے اور آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی دوسری رائے کو ترجیح دی ہے، جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ لکھتے ہیں:

«وَالْأَظْهَرُ أَنَّ صَلَاتَهُ بِهِمْ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ كَانَ قَبْلَ الْعُرُوجِ، وَاللهُ أَعْلَمُ»[2]

⑥ انبیاء علیہم السلام نے نبی ﷺ کی اقتدا میں نماز کس طرح پڑھی؟ ان کی روحوں نے نماز پڑھی یا اللہ نے ارواح سمیت ان کے اجساد کو وہاں حاضر کیا تھا؟ دونوں باتیں ممکن ہیں۔[3] اللہ کے لیے کوئی بات مشکل نہیں۔ یہی دونوں باتیں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آسمانی ملاقاتوں میں ممکن ہیں کیونکہ اللہ کے لیے کوئی بات ناممکن نہیں۔ تاہم پہلی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستثنیٰ ہوں گے کیونکہ وہ تو زندہ ہی آسمان پر موجود ہیں۔ انھیں ابھی موت ہی نہیں آئی (جیسا کہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔) تاہم زیادہ واضح بات یہی ہے کہ ملاقاتیں صرف روحوں کے ساتھ نہیں

---

① فتح الباری، ج: 7، ص: 258

② فتح الباری، باب المعراج: 262/7

③ فتح الباری، باب مذکور، ج:7، ص: 262

ہوئیں بلکہ اللہ نے اپنی قدرت سے مذکورہ انبیاء علیہم السلام کو ان کے جسموں سمیت حاضر کیا تھا۔ اسی طرح نماز بھی صرف روحوں نے نہیں بلکہ ارواح سمیت ان کے جسموں نے ہی پڑھی ہو گی۔ اس اشکال کا جواب بھی کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم تو قبروں میں ہیں، پھر آسمانوں میں ان سے ملاقات کس طرح ہوئی؟ یہی دیا گیا ہے کہ یا تو ان کی روحوں کو جسموں کی صورت میں ڈھال دیا گیا تھا یا ان کے جسموں کو آسمانوں پر حاضر کر دیا گیا تھا۔[1] اللہ کے لیے دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی ناممکن نہیں، وہ ہر طرح کرنے پر قادر ہے۔

⑦ صحیح بخاری کی جس حدیثِ معراج کا ترجمہ ہم نے پیش کیا ہے، اس میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ پر آپ کی خدمت میں تین برتن پیش کیے گئے جن میں شراب، دودھ اور شہد تھا۔ جبکہ صحیح مسلم کی یہ روایت (جس میں بیت المقدس کا ذکر ہے) میں ہے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ کر جب باہر نکلا تو حضرت جبریل علیہ السلام میرے پاس دو برتن لے کر آئے، ایک شراب کا اور دوسرا دودھ کا۔ میں نے دودھ کا برتن پسند کر لیا جس پر جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ نے فطرت کو پسند کیا۔[2]

اور صحیح بخاری کے بھی ایک دوسرے مقام پر ہے: اسراء والی رات ''ایلیا'' (بیت المقدس کا پرانا نام) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو پیالے پیش کیے گئے۔ ایک میں شراب تھی دوسرے میں دودھ تھا۔ آپ نے دونوں کی طرف دیکھا اور دودھ والا پیالہ لے لیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آپ کو فطرت والی بات اختیار کرنے کی ہدایت دے دی۔ اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔[3]

اور صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث کی بعض روایات میں پانی کے برتن کا بھی ذکر ہے۔ یوں گویا چار چیزوں کے برتن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

---

① فتح الباری، ج:7، ص:263

② صحیح مسلم، باب الإسراء برسول اللّٰہ .....، حدیث:162

③ صحیح بخاری، تفسیر سورۃ الإسراء .....، حدیث: 4709
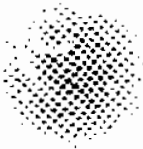
نے ان کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ ایک راوی نے جو بات بیان کی وہ دوسرے نے بیان نہیں کی جس کی وجہ سے کسی روایت میں دو برتنوں کا، کسی میں تین کا اور کسی میں چار کا بیان ہے۔ مجموعی طور پر پانی، شراب، دودھ اور شہد کے چار برتن آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے اور یہ برتن دو مقامات پر پیش کیے گئے ایک مرتبہ بیت المقدس میں جہاں آپ کو پیاس محسوس ہوئی اور دوسری مرتبہ آسمانوں میں سدرۃ المنتہیٰ کے مقامِ رفیع پر۔

اور طبری کی روایت میں ہے: ''سدرۃ المنتہیٰ کی جڑوں سے چار نہریں نکلتی ہیں:

① ایسے پانی کی جو متغیر نہیں ہوتا۔

② ایسے دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔

③ ایسی شراب کی جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہے۔

④ اور ایسے شہد کی جو صاف شفاف ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یہ روایت نقل کر کے لکھتے ہیں: ''شاید ہر نہر میں سے ایک ایک پیالہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہو۔''[1]

⑧ نبی ﷺ کا شقِ صدر کتنی مرتبہ ہوا، اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء دو مرتبہ کے اور بعض چار مرتبہ کے قائل ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ چار مرتبہ مانتے ہیں۔ بہرحال معراج کے موقع پر جو شق صدر ہوا اور اس کے بعد آپ کے دل کو زم زم کے پانی سے دھو کر اسے ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا۔ اس کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اس رات آپ جن انوار و تجلیات سے بہرہ ور ہونے والے تھے، آپ کا قلب اطہران کا تحمل آسانی سے کر سکے۔ اسی لیے اس رات کے مشاہدات و تجلیات کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَاطَغٰی﴾ ''نگاہ کج ہوئی، نہ اس نے سرکشی کی۔''[2]

---

① فتح الباری، ج: 7، ص: 270

② النجم 17:53

⑨ نبی ﷺ کو پہلے بیت المقدس لے جایا گیا اور وہاں سے آسمانوں پر۔ آپ کو مکے ہی سے آسمانوں پر کیوں نہیں لے جایا گیا؟ اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس طرح آپ کی سیر آسمانی کا ماننا لوگوں کے لیے آسان ہو گیا کیونکہ جب آپ نے یہ بتلایا کہ میں آج رات کو اس کے تھوڑے سے حصے میں بیت المقدس ہو کر آیا ہوں تو لوگوں کو معلوم تھا کہ آپ پہلے کبھی بیت المقدس نہیں گئے ہیں، چنانچہ انھوں نے بیت المقدس کی جزئیات آپ سے پوچھیں تو آپ نے اللہ کی مدد سے کہ اس نے اسے آپ کے سامنے کر دیا، ان کے سارے سوالات کے صحیح صحیح جواب دے دیے تو اہل کفر نے تو خیر ماننا ہی نہ تھا لیکن اس سے اہل ایمان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہو گیا، پھر آسمانی سیر کا تسلیم کرنا تو ان کے لیے ذرا مشکل نہ رہا۔[1]

⑩ بعض روایات میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کے ذکر میں یہ اضافہ ہے کہ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آدم علیہ السلام ہیں اور یہ ان کے دائیں اور بائیں جانب پرچھائیاں، ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ ان میں سے دائیں جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے جہنمی ہیں۔ جب آدم علیہ السلام اپنی دائیں جانب دیکھتے تو ہنستے (خوش ہوتے) اور اپنی بائیں جانب دیکھتے تو (غم کی وجہ سے) رو پڑتے۔[2]

⑪ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے بارے میں اضافہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام دراز قد (یا بقول بعض ہلکے پھلکے، دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں، ان میں تضاد نہیں) کھلے بالوں والے تھے گویا کہ وہ شَنُوءَہ قبیلے کے فرد ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام درمیانے قد کے حامل اور سرخ و سپید رنگ والے تھے (صفائی پسند اتنے تھے، معلوم ہوتا تھا) گویا وہ غسل خانے سے نکلے ہیں اور میں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے سب سے زیادہ ابراہیم علیہ السلام

---

① فتح الباری، الإسراء، باب مناقب الانصار، ج: 7، ص: 252

② صحیح البخاری، الصلاۃ، حدیث: 349
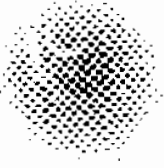
کے مشابہ ہوں۔''[1]

⑫ حضرت موسیٰ علیہ السلام، یہ سوچ کر کہ نبی ﷺ کی امت کے لوگ میری امت کے مقابلے میں زیادہ (تعداد میں) جنت میں جائیں گے، رو پڑے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ رونا حسد کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ عالم بالا و عالم آخرت میں دل حسد، بغض، کینہ وغیرہ رذائل سے پاک کر دیے جاتے ہیں۔ رونے کی وجہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنو اسرائیل کا وہ معاندانہ ومخالفانہ رویہ تھا جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت اختیار کیا تھا جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ وہ اتنے ارفع درجات کے حامل نہیں ہوں گے جتنے وہ بنو اسرائیل کی اطاعت گزاری اور وفا شعاری کی صورت میں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ایک نبی کے جتنے صحیح پیروکار ہوں گے، ان سب کی نیکیوں کا اجر اس پیغمبر کو بھی ملے گا۔ اس اعتبار سے نبی ﷺ کے پیروکار بہت زیادہ ہوں گے۔ ایک تو آپ کی نبوت کا وقت قیامت تک ہے۔ دوسرے آپ ﷺ کی امت، امت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آپ کی مُتبع بھی زیادہ ہے۔ یوں آپ کو اجر وصلہ بھی تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ملے گا جو آپ کے زیادہ سے زیادہ رفع درجات کا باعث ہوگا۔

⑬ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات کے ضمن میں اضافہ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بیت المعمور میرے سامنے بلند کیا گیا۔ میں نے (اس کی بابت) جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انھوں نے کہا: یہ بیت المعمور ہے، فرشتوں کی عبادت گاہ۔ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں، پھر نکلتے ہیں تو دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔''[2]

⑭ حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات کے ضمن میں صحیح مسلم میں یہ اضافہ ہے:

«وَإِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ»

---

① صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، حدیث : 3394

② صحیح البخاری، بدء الخلق، حدیث : 3207

''میں نے یوسف کو دیکھا، انھیں آدھا حسن دیا گیا تھا۔''[1]

[شَطْر] کے معنی ''نصف'' (آدھے) کے ہوتے ہیں، یعنی دنیا میں جتنا حسن ہے اس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔ [شَطْر] کے معنی ''حصے'' کے بھی ہوتے ہیں اس معنی کے اعتبار سے مطلب ہوگا، حسن کا ایک حصہ انھیں دیا گیا تھا، اس کا مطلب بھی حسن و جمال کی فراوانی ہی ہوگا۔ گویا شطر کو نصف کے معنی میں لیا جائے یا حصے کے معنی میں، دونوں صورتوں میں مطلب حضرت یوسف علیہ السلام کے ظاہری حسن و جمال میں امتیازی مقام کو واضح کرنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں سرفراز فرمایا تھا۔

⑮ ایک حدیث میں ''داروغۂ جہنم'' (مَالِک) سے بھی ملاقات کا ذکر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب میں (بیت المقدس سے امامت کرکے) نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ مالک، داروغۂ جہنم ہے، اسے سلام کریں۔ میں اس کی طرف مڑا تو اس نے پہل کر کے مجھے سلام کر دیا۔''[2]

⑯ اکثر روایات میں ہے کہ ساتویں آسمان پر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب کر دیا گیا۔ بعض روایات میں سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر بتلایا گیا ہے۔ اگر یہ الفاظ محفوظ ہوں تو اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ ممکن ہے اس کا اصل تنا چھٹے آسمان پر ہو اور اس کا زیادہ پھیلاؤ ساتویں آسمان ہی پر ہو۔ بہرحال یہ ایک بیری کا درخت ہے جو تجلیات الٰہی کا مظہر ہے۔ [مُنْتَھیٰ] کا مطلب ہے مقامِ انتہا، زمین سے اوپر آنے والی چیزوں کی بھی آخری حد یہی ہے۔ ان کو یہاں وصول کیا جاتا ہے اور جو اس کے اوپر سے، یعنی اللہ کی طرف سے نیچے اترتا ہے، اس کی حد بھی یہی ہے۔ یہیں سے احکام الٰہی کو وصول کیا جاتا ہے۔[3]

---

① صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ ......، حدیث: 162

② صحیح مسلم، الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال، حدیث: 172

③ صحیح مسلم، الإیمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتھیٰ، حدیث: 173

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے:

«فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللهِ مَا غَشِيَ تَغَيَّرَتْ، فَمَا أَحَدٌ مِّنْ خَلْقِ اللهِ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَّنْعَتَهَا مِنْ حُسْنِهَا»

''جب اللہ کا حکم اپنے خصوصی انداز سے اس کو ڈھانپتا ہے تو وہ اس طرح بدل جاتا ہے کہ مخلوق میں کوئی ایسا شخص نہیں جو اس کے حسن و رعنائی کی منظر کشی کر سکے۔''[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث مسلم میں ہے: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ﴿اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشىٰ﴾ ''جب اس بیری کے درخت پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔'' سے مراد، سونے کے پروانے ہیں جو اس بیری کے گرد منڈلاتے اور اس کے حسن و رعنائی میں اضافہ کرتے ہیں۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان پروانوں کو تمثیل کے طور پر سونے کا کہا گیا ہے جیسے سونا صاف اور چمک دار ہوتا ہے، یہ پروانے بھی اپنے صاف شفاف رنگ اور چمک دمک میں ایسے ہیں جیسے سونا ہوتا ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بھی ممکن ہے کہ بیری کے گرد منڈلانے والے پروانے واقعتاً اور حقیقتاً سونے ہی کے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کے اندر اڑنے کی صفت پیدا کر دی ہو۔ اس کے لیے ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں۔[2]

قرآن کی رو سے اسی سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت ہے: ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى﴾ اسی کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات کو حضرت جبریل علیہ السلام کو دوسری مرتبہ ان کی اصل شکل میں دیکھا تھا: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهىٰ﴾ (النجم:14،13) اس پر مزید گفتگو آگے آئے گی۔

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ ......، حدیث : 162

[2] فتح الباری، ج:7، ص:267 مطبوعہ دارالسلام۔الریاض

شب معراج کا سب سے اہم عطیہ، نماز پنجگانہ

بہر حال یہی وہ سدرۃ المنتہیٰ ہے جو آخری حد ہے۔ اس سے آگے کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو وحی کے ذریعے سے اپنے احکام سے نوازتا ہے۔ نبی ﷺ بھی لیلۃ المعراج کو اس مقام سے آگے نہیں گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہیں آپ کو وحی کے ذریعے سے نماز کی فرضیت سے آگاہ فرمایا: ﴿فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی﴾ (النجم: 10/53) ''پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔''

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے اپنے پیغمبر کو بتلایا کہ میں نے آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ نبی ﷺ معراج کا یہ تحفہ لے کر واپس پلٹے تو موسیٰ علیہ السلام نے تخفیف کرانے کا مشورہ دیا اور ان کے کہنے پر آپ متعدد مرتبہ تخفیف کے لیے بارگاہ الٰہی میں درخواست گزار ہوئے۔

اس کے لیے آپ کتنی مرتبہ بارگاہ الٰہی میں عرض گزار ہوئے؟ اس سلسلے میں بھی روایات میں اختلاف ہے۔ علماء نے ان کے درمیان تطبیق کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔ یا تو دس دس کر کے چار مرتبہ اور آخری چکر میں پانچ نمازیں معاف ہوئیں۔ یا پھر پانچ پانچ کر کے معاف ہوئیں۔ اس طرح پہلی صورت میں پانچویں مرتبہ میں اور دوسری صورت میں نویں مرتبہ میں 45 نمازیں معاف ہو کر صرف پانچ رہ گئیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دوسری صورت کو راجح قرار دے کر دوسری روایات کو اس پر محمول کیا ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [هُنَّ خَمۡسٌ وَهُنَّ خَمۡسُونَ] ''یہ پانچ ہیں اور پچاس ہیں۔''[2] یعنی عمل کے اعتبار سے گنتی میں یہ پانچ ہیں اور اجر و ثواب کے اعتبار سے یہ پچاس

---

① فتح الباری، ج:1، ص:600

② صحیح البخاری، الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الإسراء۔ حدیث: 349

شمار ہوں گی۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

«إِنَّهُ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ كَمَا فَرَضْتُ عَلَيْكَ فِي أُمِّ الْكِتَابِ، قَالَ: فَكُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، فَهِيَ خَمْسُونَ فِي أُمِّ الْكِتَابِ، وَهِيَ خَمْسٌ عَلَيْكَ»

''میرے ہاں بات تبدیل نہیں ہوتی، (یہ اس طرح ہی ہے) جیسے میں نے آپ پر لوح محفوظ میں فرض کی تھیں۔ پس ہر نیکی، دس نیکیوں کے برابر ہے، اس اعتبار سے یہ آپ کے لیے پانچ ہیں اور لوح محفوظ میں پچاس ہیں۔''[1]

⑱ شب معراج میں فرضیت نماز کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں نماز کیوں فرض کی؟ اس کی ایک حکمت علماء نے یہ بیان کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو آسمانوں کی سیر کرائی تو وہاں فرشتوں کی عبادت کا منظر بھی دکھایا گیا کہ کوئی فرشتہ حالت قیام میں مصروف عبادت ہے، وہ بیٹھتا نہیں۔ کوئی حالت رکوع میں ہے، وہ سجدے میں نہیں جاتا اور کوئی سجدے کی حالت میں ہے، اس سے اٹھتا ہی نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی اس عبادت کی مناسبت سے امت محمدیہ پر نماز کی صورت میں ایسی عبادت مقرر فرمادی جس میں بیک وقت یہ ساری ہی صورتیں آجاتی ہیں۔ اس میں قیام بھی ہے اور رکوع وسجود بھی۔[2]

ایک دوسری حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ظاہر و باطن کو آبِ زم زم سے پاک صاف کر کے جس طرح مقدس ومطہر کر دیا گیا تھا اور ایمان وحکمت سے

① صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7517

② فتح الباري، ج:7، ص:270

آپ کو نوازا گیا تھا۔ ایسے ہی نماز کے لیے بھی ضروری ہے کہ پہلے ہر قسم کی ظاہری و باطنی غلاظت سے اپنے آپ کو پاک کیا جائے۔ اس مناسبت سے اس موقع پر نماز کی فرضیت کو اہمیت دی گئی۔ علاوہ ازیں اس طرح آپ کے شرف و فضل کو فرشتوں پر بھی واضح کرنا تھا جو بلاواسطہ نماز کے حکم سے فرشتوں پر آشکارا ہو گیا۔[1]

معراج سے قبل نماز کی کوئی متعین یا غیر متعین صورت تھی یا نہیں؟ بعض علماء کی رائے ہے کہ صرف رات کو بغیر کسی تعین یا حد کے نماز پڑھی جاتی تھی۔ بعض کہتے کہ صبح و شام صرف دو دو رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ رات کے کچھ حصے کا قیام فرض تھا۔[2]

⑲ بعض روایات میں ہے کہ میں ایسے بلند مقام پر پہنچا جہاں مجھے قلموں کے چلنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں: [أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ] یہ جگہ بھی سدرۃ المنتہیٰ کے آس پاس ہی ہے جہاں فرشتے لوح محفوظ سے اللہ کے فیصلے نقل کرتے ہیں اور یہ اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ ان کی قلموں کے بہ یک وقت چلنے سے آوازوں کی ایک کہکشاں سج جاتی ہے۔[3]

⑳ حدیث میں سدرۃ المنتہیٰ پر چار نہریں دیکھنے کا بھی بیان ہے۔ دو جنت کے اندر اور دو باہر۔ باہر والی دو نہریں نیل اور فرات ہیں اور صحیح مسلم کی روایت میں دوسری دو نہروں کے نام سَیحان اور جَیحان بتلائے گئے ہیں اور ان کی بابت بھی یہ کہا گیا ہے کہ وہ جنت سے ہیں، یعنی اس میں چاروں نہروں کو [كُلٌّ مِّنْ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ] کہا گیا ہے۔[4]

اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان نہروں کے سوتے جنت میں ہیں، چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں ہے کہ نیل اور فرات کی اصل جنت سے ہے اور یہ دونوں

---

① فتح الباری، الصلاۃ، ج:1، ص:596

② فتح الباری، ج:1، ص:603

③ صحیح البخاری، الصلاۃ، حدیث:349

④ صحیح مسلم، حدیث:2839

سدرۃ المنتہیٰ کی اصل سے نکلتی ہیں، پھر جہاں اللہ چاہتا ہے وہاں وہ چلتی ہیں، پھر زمین پر اترتی ہیں، پھر اسی پر چلتی ہیں اور اسی میں سے نکلتی ہیں اور ایسا ہونا عقل کے خلاف نہیں۔ حدیث کا ظاہر بھی اسی بات کا شاہد ہے۔ اس لیے یہی معتمد علیہ بات ہے۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''خلاصہ یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کی اصل جنت ہے اور یہ دونوں نہریں اولاً اس کی اصل سے نکلتی ہیں، پھر چلتی ہیں، یہاں تک کہ زمین میں استقرار حاصل کر لیتی ہیں، پھر یہیں سے اس کے سوتے نکلتے ہیں۔'' (حوالۂ مذکور)

شیخ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ان نہروں کے جنت سے ہونے سے مراد شاید یہ ہے کہ ان کی اصل جنت سے ہے جیسے انسان کی اصل جنت سے ہے، پس یہ حدیث اس بات کے منافی نہیں ہے جو ان نہروں کی بابت مشہور و معلوم ہے کہ یہ نہریں زمین کے معروف سرچشموں سے پھوٹتی ہیں۔ پس اگر اس کے یہ یا اس سے ملتے جلتے معنی نہیں ہیں تو یہ حدیث امور غیب سے متعلق ہے جن پر ایمان رکھنا اور جو خبر دی گئی ہے اس کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔''[2]

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾﴾[3]

(21) سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچنے کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا:

«ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا فِيهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ، وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ»

''پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا تو اس میں موتیوں کے قبے ہیں اور اس کی مٹی

---

(1) فتح الباری، مناقب الأنصار، باب المعراج، ج:7، ص:268

(2) الصحیحہ:1/178,177، حدیث:112,111

(3) النسآء 65:4

کستوری ہے۔''[1]

(22) سدرۃ المنتہیٰ کے مزید دو تحفے

سدرۃ المنتہیٰ میں جہاں نماز کا تحفہ ملا، وہاں دو تحفے اور بھی ملے، حدیث میں ہے:

«فَأُعْطِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلَاثًا: أُعْطِيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ، وَأُعْطِيَ خَوَاتِيمَ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، وَغُفِرَ لِمَنْ لَّمْ يُشْرِكْ بِاللهِ مِنْ أُمَّتِهِ شَيْئًا الْمُقْحِمَاتُ»

''پس رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں: (۱) پانچ نمازیں (۲) سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (۳) اور آپ کی امت میں سے اس شخص کے کبیرہ گناہوں کی معافی جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔''[2]

سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں سے مراد آخری دو آیتیں ہیں

﴿آمَنَ الرَّسُولُ﴾ سے تا آخر۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں ان کی فضیلت بیان کی گئی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلآيَتَانِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، مَنْ قَرَأَهُمَا فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ»

''سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی یہ فضیلت ہے کہ جو ان کو رات کے وقت پڑھتا ہے، وہ اس کو کافی ہو جاتی ہیں۔''[3]

---

(1) صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... ، حديث : 163

(2) صحيح مسلم، الإيمان، باب في ذكر سدرة المنتهى ، حديث : 173

(3) صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب في فضل الفاتحة وخواتيم سورة البقرة......،حديث: 807
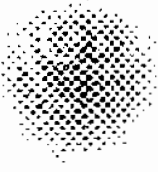
کس سے کافی ہو جاتی ہیں؟ اس کی بابت امام نووی فرماتے ہیں:

''بعض کہتے ہیں: قیام اللیل (نماز تہجد) سے، یعنی رات کو ان دو آیتوں کا پڑھ لینا، نماز تہجد کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں: شیطان سے کافی ہو جاتی ہیں، یعنی ان کے پڑھ لینے سے شیطان سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں: تمام آفات سے بچاؤ کا سبب ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ احتمال ہے کہ یہ تمام ہی باتوں کے لیے کافی ہو جاتی ہوں۔''[1]

ایک اور حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک دفعہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے اپنے اوپر سے دروازہ کھلنے کی سی آواز سنی۔ آپ نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: ''یہ آسمان کا دروازہ ہے جو آج کھولا گیا ہے۔ آج سے پہلے یہ کبھی نہیں کھولا گیا، اس سے ایک فرشتہ اترا ہے۔ اور کہا: یہ ہے وہ فرشتہ جو زمین پر اترا ہے آج سے پہلے یہ فرشتہ بھی کبھی نہیں اترا۔''

پس اس فرشتے نے سلام کیا اور کہا: ''آپ کو دو نوروں کی خوش خبری ہو جو آپ کو عطا کیے گئے ہیں۔ آپ سے پہلے یہ دو نور کسی نبی کو نہیں دیے گئے۔ ایک سورۂ فاتحہ اور دوسرا سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔ ان میں سے جو حرف بھی آپ پڑھیں گے اس کا اجر آپ کو دیا جائے گا۔''[2]

[مقحمات، مقحمۃ] کی جمع ہے، یہ [تقحُّم] سے ہے جس کے معنی، ہلاکت میں پڑنے کے ہیں۔ اس اعتبار سے [مقحمات] کے معنی ہوں گے، ایسے بڑے گناہ جو ہلاکت میں ڈالنے والے اور جہنم میں لے جانے والے ہیں، یعنی کبیرہ گناہ اور کبیرہ گناہوں کی بابت

---

[1] شرح نووی، ج:6، ص:91، 92 مکتبۃ الغزالی، دمشق

[2] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، حدیث: 806

اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوں گے اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنا خصوصی فضل وکرم کسی پر فرما دے۔

اس حدیث معراج میں جو فرمایا گیا ہے کہ کبیرہ گناہوں کی مغفرت کا تحفہ بھی مجھے عطا کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میری امت کے وہ لوگ جو دنیا میں کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوتے رہے اور توبہ کی توفیق بھی انھیں میسر نہیں آئی حتی کہ اسی حالت میں وہ دنیا سے چلے گئے۔ ایسے لوگ اگر جہنم میں جائیں گے تو وہاں وہ ہمیشہ نہیں رہیں گے جیسے مشرکین اور کفار ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے بلکہ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال لیے جائیں گے اور جنت میں داخل کر دیے جائیں گے، یعنی [مقحمات] کی مغفرت کا مطلب بالآخر مغفرت ہے، یہ نہیں کہ وہ جہنم میں جائیں گے ہی نہیں۔ ان کا سزا بھگتنے کے لیے عارضی طور پر جہنم میں جانا، مغفرت ذنوب کے منافی نہیں ہے۔

باب:3

مشاہدات معراج میں تین مسئلے بڑے اہم ہیں جن میں صحابہ و تابعین کے درمیان بھی اختلاف رہا ہے اور وہ حسب ذیل ہیں:

① کیا شب معراج میں نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا ہے؟

② کیا اللہ تعالیٰ نے براہ راست (بغیر کسی واسطے کے) نبی ﷺ سے کلام فرمایا ہے؟

③ قرآن مجید کی آیت: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى﴾ (النجم53: 8) ''پھر وہ قریب ہوا اور جھک گیا۔'' کس کی بابت ہے؟ یہ دُنُوّ اور تَدَلّی کس کا کس کے ساتھ ہوا؟ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے قریب ہوا اور آپ کی طرف جھک آیا؟ یا اس سے مراد جبریل علیہ السلام کا نبی ﷺ کے قریب ہونا اور جھکنا ہے؟

رؤیتِ باری تعالیٰ، اللہ سے کلام اور دُنو و تدَلّی کی وضاحت

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام سمیت کسی کو بھی اللہ کی رؤیت (دیدار) کا شرف حاصل نہیں ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں یہ خواہش ظاہر کی تھی اور کہا تھا: ﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ﴾ ''اے رب! تو مجھے اپنا دیدار کرا، میں تجھے
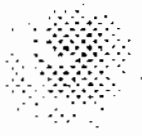
دیکھوں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَن تَرَىٰنِي وَلَٰكِنِ ٱنظُرْ إِلَى ٱلْجَبَلِ فَإِنِ ٱسْتَقَرَّ مَكَانَهُۥ فَسَوْفَ تَرَىٰنِي﴾

''موسیٰ! تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا، البتہ تو پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو یقیناً تو مجھے دیکھ لے گا۔''①

﴿فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُۥ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُۥ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا﴾

''پس جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ظاہر فرمائی تو تجلی رب نے اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے۔''②

جب موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو ان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ وہ اس دنیا میں ان دنیوی آنکھوں سے اپنے رب کا دیدار نہیں کر سکتے، چنانچہ بارگاہ الٰہی میں عرض گزار ہوئے:

﴿سُبْحَٰنَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٤٣﴾﴾

''یا اللہ! تو پاک ہے، میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔''③

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعے سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے متحمل نہیں ہو سکے۔ اس سے یہی استدلال کیا گیا ہے کہ دنیوی آنکھوں میں اتنی قوت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کی متحمل ہو سکیں، البتہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ان آنکھوں میں اتنی قوت پیدا کر دے گا کہ وہ رب کے دیدار سے خورسند ہوں گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو وہ معراج کے موقع پر اتنی قوت پیدا کر سکتا تھا کہ وہ اللہ کا دیدار کر لیتیں۔ لیکن کچھ اقوال صحابہ و تابعین کے علاوہ ایسی کوئی مضبوط

① الأعراف 143:7 ② الأعراف 143:7

③ الأعراف 143:7

دلیل نہیں ہے جو اثباتِ رؤیت پر دلالت کرتی ہو۔ اس لیے راجح بات یہی ہے کہ نبی ﷺ نے بھی شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل نہیں کیا۔

شرح عقیدۃ الطحاویۃ میں ہے

«فَإِنَّ الرُّؤْيَةَ فِي الدُّنْيَا مُمْكِنٌ، إِذَ لَوْ لَمْ تَكُنْ مُمْكِنَةً لَّمَا سَأَلَهَا مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لٰكِنْ لَّمْ يَرِدْ نَصٌّ بِأَنَّهُ ﷺ رَأٰى رَبَّهُ بِعَيْنِ رَأْسِهِ، بَلْ وَرَدَ مَا يَدُلُّ عَلٰى نَفْيِ الرُّؤْيَةِ»

''اللہ کی رؤیت تو دنیا میں ممکن ہے، اس لیے کہ اگر یہ ممکن نہ ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے لیکن اس کی بابت کوئی نص وارد نہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا بلکہ اس کے برعکس ایسی صراحتیں ملتی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ نے اپنے رب کو نہیں دیکھا۔''[1]

اس کے بعد صاحب شرح عقیدۃ الطحاویۃ نے وہ حدیث نقل کر کے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اس سوال کے جواب میں کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا، آپ نے فرمایا: ''وہ تو نور ہے میں اسے کیوں کر دیکھ سکتا ہوں؟'' اور ایک روایت میں ہے: ''میں نے نور دیکھا۔'' فرماتے ہیں: [فَهٰذَا صَرِيحٌ فِي نَفْيِ الرُّؤْيَةِ] ''یہ حدیث نفیٔ رؤیت میں بالکل واضح ہے۔''

قائلینِ رؤیت کے دلائل اور ان کا تجزیہ

جو لوگ رؤیت باری تعالیٰ کے قائل ہیں، ان کا زیادہ استدلال سورۂ نجم کی ان آیات کے بعض حصوں سے ہے:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۞ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ۞ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَآ أَوْحٰى

[1] شرح عقيدة الطحاوية، ص: 163، طبع الرياض: 1413ھ

''پھر وہ قریب ہوا اور اتر آیا، پس وہ دو کمانوں کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ قریب ہوگیا، پس اس نے اپنے بندے یا اس کی طرف وحی کی جو وحی کی ، دل نے اسے جھوٹ نہیں کہا جو پیغمبر نے دیکھا، کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو وہ دیکھتا ہے اور اس نے ایک مرتبہ اور اترتے ہوئے دیکھا تھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اسی کے پاس جنۃ الماویٰ ہے، جبکہ سدرہ کو چھپائے لیتی ہے وہ چیز جو چھا رہی تھی ، نہ تو نگاہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی، یقیناً اس نے اپنے رب کی بعض بڑی نشانیاں دیکھیں۔''[1]

ان آیات میں سے پہلی دو آیات کا بطور خاص مصداق، وہ اللہ تعالیٰ کو قرار دیتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے اتنے قریب ہوگیا کہ دو کمانوں کے بقدر یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔ حالانکہ اس کے بعد کی آیت: ''پس اس جبریل (علیہ السلام) نے اس اللہ کے بندے کی طرف وحی کی۔'' اس مفہوم کی نفی کر دیتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے اتنے قریب ہوگیا کہ دو کمانوں کی بقدر یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا تو پھر وحی کی بجائے ﴿كَلَّمَ اللّٰهُ مَا كَلَّمَ﴾ ''کلام کیا اللہ نے جو کلام کیا'' کے الفاظ ہونے چاہئیں تھے کیونکہ اتنے قریب سے وحی نہیں کی جاتی بلکہ کلام کیا جاتا ہے اتنی قربت تو روبرو ہونے کے ہم معنی ہے۔ روبرو ہونے کے بعد وحی کرنے کے کیا معنی؟ اس کے بعد تو براہ راست گفتگو ہونی چاہیے تھی۔ جب ایسا نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی نہیں کی بلکہ اس موقع پر بھی بذریعۂ وحی ہی تبادلۂ احکام ہوا تو یہ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾ میں

---

[1] النجم 53:8-18

جس قربت و تدلّی کا بیان ہے وہ نبی ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام کے درمیان ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ اور پیغمبر کے درمیان۔ پس اس کا زیادہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جبریل نے اس (اللہ) کے بندے، یعنی نبی ﷺ کی طرف وحی کی جو (قرآن کی) وحی کی۔ پس [فَأوحیٰ] میں ضمیر کا مرجع جبریل علیہ السلام ہیں۔ (جیسا کہ آیت کا سیاق اسی کی تائید کرتا ہے) یعنی جبریل علیہ السلام نے اللہ کی وحی، اللہ کا قرآن یا اللہ کا پیغام محمد ﷺ تک پہنچایا اور اگر [فَاَوْحٰی] میں ضمیر کا مرجع اللہ کو قرار دیا جائے تو معنی ہوں گے: اللہ نے اپنے بندے محمد ﷺ پر (بواسطہ جبریل) وحی کی جو وحی کی۔ (یہ معنی سیاق کے اس وقت زیادہ قریب ہوں گے جب ﴿فَاَوْحٰی﴾ کو ﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰی﴾ سے ماقبل کی آیت سے متعلق مانا جائے اور ﴿عَلَّمَهٗ﴾ کو ﴿اَوْ اَدْنٰی﴾ تک جملہ معترضہ سمجھا جائے) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان دونوں معنوں کو صحیح قرار دیا ہے۔[1]

ایک تیسری صورت بعض مفسرین نے یہ بھی بیان کی ہے کہ ﴿فَاَوْحٰی﴾ میں ضمیر کا فاعل اللہ ہے اور ﴿اِلٰی عَبْدِهٖ﴾ میں ضمیر کا مرجع جبریل ہیں اور ﴿مَاۤ اَوْحٰی﴾ میں ﴿اَوْحٰی﴾ کا فاعل جبریل علیہ السلام ہیں، معنی ہوں گے: ''پس اللہ نے اپنے بندے (جبریل) کی طرف وہ وحی کی جو وحی جبریل نے محمد ﷺ کی طرف کی۔''[2]

ان تینوں صورتوں میں سے کسی صورت میں بھی براہ راست گفتگو کا مفہوم نہیں نکلتا۔

علاوہ ازیں اس سے بھی زیادہ واضح قرینہ اس بات کا کہ ضمائر کا مرجع جبریل علیہ السلام ہیں، یہ ہے کہ اس کا تعلق لیلۃ المعراج سے ہے ہی نہیں۔ یہ دراصل ابتدائے نبوت کا واقعہ ہے اس موقع پر اللہ کے پیغمبر نے جبریل علیہ السلام کو پہلی مرتبہ اصل صورت میں دیکھا تھا۔ ان آیات میں اسی کا بیان ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

① ابن کثیر، تفسیر سورۃ النجم

② التفسیر المنیر، ج27، ص: 901
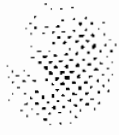
''نبی ﷺ کا جبریل علیہ السلام کو دیکھنا، معراج کی رات کو نہیں تھا بلکہ یہ اس سے پہلے کا واقعہ ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ زمین پر تھے، پس جبریل علیہ السلام آپ کی طرف آسمان سے زمین پر اترے اور آپ کی طرف جھکے اور آپ کے قریب ہو گئے۔ اس وقت جبریل علیہ السلام اس اصلی صورت میں تھے جس پر اللہ نے ان کو پیدا فرمایا ہے۔ ان کے چھ سو پر تھے، پھر آپ نے جبریل علیہ السلام کو دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا، یعنی معراج کی رات کو۔ اور یہ پہلی رؤیت نبوت کے آغاز میں اس وقت کے بعد کا واقعہ ہے جب جبریل علیہ السلام پہلی مرتبہ آپ کے پاس آئے تھے، پس اللہ نے آپ کی طرف سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیات کی وحی فرمائی، پھر اس کے بعد وحی کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔ اس دوران میں نبی ﷺ کئی مرتبہ اس نیت سے پہاڑ پر چڑھے کہ اپنے آپ کو وہاں سے نیچے گرا لیں، پس آپ نے جب بھی ایسا کیا تو جبریل علیہ السلام نے آپ کو فضائے آسمانی میں سے آواز دی: ''اے محمد (ﷺ) آپ اللہ کی طرف سے رسول برحق ہیں اور میں جبریل عرض کر رہا ہوں۔'' یہ سن کر آپ کے دل کو تسلی ہو جاتی اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔ اور جب بھی آپ ایسا ارادہ فرماتے تو ایسا ہی ہوتا حتی کہ ایک وقت آیا کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس وادیٔ مکہ میں اس اصلی صورت میں آئے جس پر اللہ نے ان کو پیدا فرمایا ہے۔ ان کے چھ سو پر تھے اور ان کے جثے کی جسامت نے آسمان کے کناروں کو بھر دیا تھا۔ پس جبریل علیہ السلام آپ کے قریب ہوئے اور آپ کی طرف اللہ کی طرف سے اس چیز کی وحی کی جس کا اللہ نے ان کو حکم دیا تھا۔ اس وقت آپ نے اس فرشتے کی عظمت کو پہچانا جو آپ کے پاس پیغام الٰہی لاتا تھا اور اس کی اس قدر و منزلت کا آپ کو علم ہوا جو اس فرشتے کی اس خالق کائنات کے نزدیک تھی جسے اس نے آپ کے پاس بھیجا تھا۔[1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج:7، ص:420

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی﴾ میں ضمیروں کا مرجع وہی فرشتہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیات:

﴿عَلَّمَهُۥ شَدِيدُ ٱلْقُوَىٰ ۝٥ ذُو مِرَّةٍ فَٱسْتَوَىٰ ۝٦ وَهُوَ بِٱلْأُفُقِ ٱلْأَعْلَىٰ ۝٧﴾

''مضبوط قوتوں والے (فرشتے) نے اس (پیغمبر) کو قرآن سکھلایا، وہ طاقت والا ہے۔ پس وہ سیدھا بیٹھا جب کہ وہ اوپر (آسمان) کے کناروں پر تھا۔''[1]

میں ہے اور یہ فرشتہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

اس کے بعد کی آیات: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی﴾ میں اسی فرشتے کے نیچے زمین پر اترنے اور نبی ﷺ کے قریب ہونے کا بیان ہے۔ اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی تقریباً یہی صفات قرآن مجید کے دوسرے مقام پر بھی بیان ہوئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّهُۥ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝١٩ ذِى قُوَّةٍ عِندَ ذِى ٱلْعَرْشِ مَكِينٍ ۝٢٠ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝٢١ وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ۝٢٢ وَلَقَدْ رَءَاهُ بِٱلْأُفُقِ ٱلْمُبِينِ ۝٢٣﴾[2]

ان آیات میں بھی حضرت جبریل علیہ السلام کی قوت و طاقت کا اور نبی ﷺ کا ان کو آسمانوں کے کناروں پر دیکھنے کا بیان ہے۔

بنا بریں جن صحابہ و تابعین نے: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی......﴾ آیات میں ضمیروں کا مرجع جبریل علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ یہی بات صحیح اور قرآن و حدیث کی دیگر تصریحات کے مطابق ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کی تینوں آیتوں: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی﴾ ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی﴾ اور ﴿لَقَد رَاٰی مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾ سے مراد یہی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔[3]

---

[1] النجم 53:5-7 [2] التکویر 81:19-23

[3] صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله عليه السلام، نور أنى أراه. وفي قوله رأيت نوراً، حديث: 178
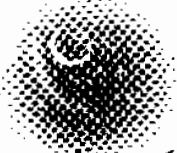
اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْرَاٰہُ نَزْلَةً اُخْرٰی﴾ ''تحقیق دیکھا اس کو دوسری مرتبہ (یا) ایک مرتبہ اور بھی اسے اترتے ہوئے دیکھا۔'' (دونوں ترجمے صحیح ہیں) سے مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔ [1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا:

«نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ؟»

''وہ تو نور ہے، اسے میں کس طرح دیکھ سکتا ہوں۔'' [2]

ایک دوسری روایت میں ہے عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ تابعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو میں آپ سے ضرور پوچھتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو کس چیز کی بابت پوچھتا؟ عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ نے کہا: میں آپ سے پوچھتا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضرت ابوذر نے فرمایا: یہ بات میں نے آپ سے پوچھی تھی تو آپ نے فرمایا تھا: [رَأَيْتُ نُورًا] ''میں نے ایک نور دیکھا ہے۔'' [3]

''نور دیکھا ہے'' کا مطلب ''اللہ کو نہ دیکھنا'' ہے کیونکہ نورانی شعاعیں ہی دراصل اللہ کے دیکھنے میں حائل ہیں۔ جیسے ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَنَامُ وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ، حِجَابُهُ النُّورُ، وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ: اَلنَّارُ، لَوْ كَشَفَهُ

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب معنی قول اللّٰہ عزوجل، ولقدرآہ نزلة اخری وھل رأی النبی ﷺ ربہ لیلة الإسراء، حدیث: 174

[2] صحیح مسلم، باب مذکور، حدیث: 175

[3] صحیح مسلم، باب مذکور

لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهىٰ إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ»

''اللہ عزوجل سوتا ہے نہ سونا اس کے لائق ہی ہے۔ وہ ترازو کو پست کرتا اور بلند کرتا ہے (یعنی اعمال کے مطابق رزق میں کمی بیشی کرتا ہے) اس کی طرف رات کے عمل، دن کے عمل سے پہلے اور دن کے عمل، رات کے عمل سے پہلے اٹھائے جاتے ہیں۔ اس کا حجاب نور ہے (ایک اور روایت میں ''آگ'' کا لفظ ہے) اگر وہ اس حجاب کو ہٹادے تو اس کے چہرے کی تجلیات، جہاں تک اس کی نظر پہنچے، اس کی مخلوق کو جلاڈالے۔''[1]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سب سے واضح ہے اور اس میں زیر بحث آیاتِ نجم کی تفسیر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ اس لحاظ سے یہ روایت فیصلہ کن ہے۔ حضرت مسروق رحمہ اللہ (تابعی) بیان کرتے ہیں:

''میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ٹیک لگائے بیٹھا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: (ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو انھوں نے کہا: سبحان اللہ! تیرے اس سوال پر تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہیں۔ پھر فرمایا:

اے ابو عائشہ! تین باتیں ہیں، ان میں سے کوئی کسی بھی بات کا کوئی دعویٰ کرتا ہے تو اس نے یقیناً اللہ پر بڑا بہتان باندھا۔ میں نے کہا: وہ باتیں کون سی ہیں؟ فرمایا: جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے یقیناً اللہ پر بڑا بہتان باندھا۔

مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور کہا: ام المومنین! ٹھہریں اور جلدی نہ

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله عليه السلام إن الله لا ينام ....، حديث : 179
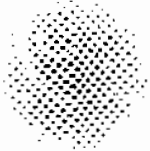
کریں، کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ رَاٰہُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ﴾ (التکویر:32) ''اور اس نے اسے آسمان کے کھلے کناروں پر دیکھا ہے۔'' اور ﴿وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی﴾ (النجم:13) ''اور اس نے اسے دوسری مرتبہ دیکھا۔''

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس امت میں میں ہی وہ پہلی ہوں جس نے ان آیات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، پس آپ نے فرمایا تھا: ''ان آیات میں صرف جبریل علیہ السلام کا دیکھنا مراد ہے۔ میں نے انھیں ان دو مرتبہ دیکھنے کے علاوہ اس اصلی صورت میں کبھی نہیں دیکھا جس پر انھیں پیدا کیا گیا ہے۔ میں نے انھیں دیکھا کہ وہ آسمان سے اتر رہے ہیں، ان کے پیدائشی وجود کے جسم نے آسمان وزمین کے مابین تمام فضا کو بھر دیا ہے۔''

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے مسروق! کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿لَّا تُدْرِكُهُ ٱلْأَبْصَـٰرُ وَهُوَ يُدْرِكُ ٱلْأَبْصَـٰرَ ۖ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾﴾

''نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر لیتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔''[1]

علاوہ ازیں کیا تو نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ ٱللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِىَ بِإِذْنِهِۦ مَا يَشَآءُ ۚ إِنَّهُۥ عَلِىٌّ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾﴾

''کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ سے براہ راست کلام کرے، مگر الہام (القائے قلبی) کے ذریعے سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ (بطور قاصد کے) بھیج دے پس وہ اللہ کے حکم سے جو وہ (اللہ) چاہے، القاء (وحی) کرے۔ بیشک وہ

---

[1] الأنعام 6:103

نہایت بلند اور حکمت والا ہے۔''①

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو شخص یہ خیال کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی کتاب میں سے کچھ چھپا لیا (یعنی اسے بیان نہیں فرمایا) تو اس نے بھی اللہ پر بڑا بہتان باندھا، اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ ۚ﴾

''اے پیغمبر! جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے، اسے (لوگوں تک) پہنچا دیجیے! اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔''②

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو شخص یہ خیال کرے کہ رسول اللہ ﷺ آئندہ آنے والے کل کے حالات کی خبر دیتے ہیں، تو اس نے بھی اللہ پر بڑا بہتان باندھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ٱلْغَيْبَ إِلَّا ٱللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾﴾

''کہہ دیجیے! آسمان اور زمین کے غیب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''③

مذکورہ تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے نہ براہ راست اللہ سے ہم کلام ہوئے اور نہ اللہ کے اس طرح قریب ہوئے جو بعض لوگ ﴿ثُمَّ دَنَا﴾ کا مصداق اللہ کو قرار دے کر باور کراتے ہیں۔

---

① الشوریٰ 51:42 ② المائدۃ 67:5

③ النمل 65:27 و صحیح مسلم، الإیمان، باب: 77، حدیث 177، ص 90، مطبوعہ دارالسلام، الریاض
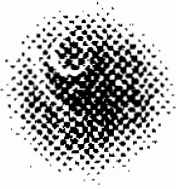
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف

بعض روایات میں صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ لیکن دوسری طرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دل سے دیکھا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے قول ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى﴾ اور ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾ (النجم: 11،13) سے مراد ہے [رَاٰهُ بِفُؤَادِهِ مَرَّتَيْنِ] ''آپ نے اللہ کو اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا۔''[1]

گویا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آنکھوں سے دیکھنے کی اور دل سے دیکھنے کی، دونوں قسم کی روایات منقول ہیں۔ اس لیے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

«وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ: أَنَّهُ أَطْلَقَ الرُّؤْيَةَ، وَهِيَ مَحْمُولَةٌ عَلَى الْمُقَيَّدَةِ بِالْفُؤَادِ، وَمَنْ رَوٰى عَنْهُ بِالْبَصَرِ فَقَدْ أَغْرَبَ، فَإِنَّهُ لَا يَصِحُّ فِي ذٰلِكَ شَيْءٌ عَنِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ»

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مطلق رؤیت کی جو روایت مروی ہے، اسے اس روایت پر محمول کیا جائے گا جس میں دل کے ساتھ دیکھنے کی تخصیص ہے اور جس نے ان سے آنکھ سے دیکھنے کی روایت کی ہے، اس نے بڑی عجیب بات کی ہے، اس لیے کہ صحابہ سے اس کی بابت کوئی چیز صحیح ثابت نہیں۔''[2]

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 176

[2] تفسیر ابن کثیر: 7/423-424

محقق عصر شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«وَبِالْجُمْلَةِ، فَتَفْسِيرُ الآيَةِ مِنَ ابْنِ عَبَّاسٍ بِرُؤْيَةِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ثَابِتٌ عَنْهُ، لٰكِنَّ الْأَخْذَ بِالتَّفْسِيرِ الَّذِي ذَكَرْنَا عَنْهُ ﷺ مَرْفُوعًا أَوْلٰى مِنْهُ وَالْأَخْذُ وَاجِبٌ، دُونَ الْمَوْقُوفِ، لَاسِيَمَا وَقَدِ اضْطَرَبَ الرُّوَاةُ فِي هٰذِهِ الرُّؤْيَةِ، فَمِنْهُمْ مَّنْ أَطْلَقَهَا كَمَا فِي حَدِيثِ التَّرْجَمَةِ وَغَيْرِهِ، وَمِنْهُمْ مَّنْ قَيَّدَهَا بِالْفُؤَادِ كَمَا فِي رِوَايَةِ مُسْلَمِ الْمَذْكُورِ، وَهِيَ أَصَحُّ الرِّوَايَاتِ عَنْهُ، وَاللهُ أَعْلَمُ»

''بہر حال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت نجم کی تفسیر رؤیت باری تعالیٰ کے ساتھ ان سے ثابت ہے، لیکن اس کے مقابلے میں اس آیت کی وہ تفسیر جو ہم نے نبی ﷺ سے (بہ روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) مرفوع ذکر کی ہے، اس سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے موقوف (قولِ صحابی) کے مقابلے میں مرفوع (قولِ رسول) کا لینا واجب ہے۔ خاص طور پر جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے راویوں نے اس رؤیت کے بارے میں اضطراب کا اظہار کیا ہے، بعض نے مطلقاً کہا ہے (کہ رب کو دیکھا) اور بعض نے اسے دل کے ساتھ مقید کیا ہے (کہ دل کے ساتھ دیکھا) جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول روایات میں سب سے زیادہ صحیح روایت ہے۔''[1] واللہ اعلم.

یہی بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی لکھی ہے:

«جَاءَتْ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَخْبَارٌ مُّطْلَقَةٌ وَّأُخْرٰى مُقَيَّدَةٌ، فَيَجِبُ حَمْلُ مُطْلَقِهَا عَلٰى مُقَيِّدِهَا»

[1] ظلال الجنة في تخريج السنة، ص: 203

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مطلق دیکھنے کی روایات بھی ہیں اور دل کے ساتھ دیکھنے کی خاص روایات بھی۔ اس لیے مطلق کو مقید (خاص روایات) پر محمول کرنا ضروری ہے''۔ [1]

یعنی یہ کہا جائے گا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مطلب دل سے دیکھنا ہے نہ کہ آنکھوں سے دیکھنا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

«وَعَلٰى هٰذَا فَيُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَ إِثْبَاتِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّنَفْيِ عَائِشَةَ بِأَنْ يُّحْمَلَ نَفْيُهَا عَلٰى رُؤْيَةِ الْبَصَرِ، إِثْبَاتُهُ عَلٰى رُؤْيَةِ الْقَلْبِ»

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دل کے ساتھ دیکھنے کی جو روایت ہے اس سے ان دونوں موقفوں کے درمیان جمع و تطبیق ممکن ہے یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف اثباتِ رؤیت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقفِ نفیٔ رؤیت کے درمیان۔ بایں طور کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نفی کو رؤیتِ بصر پر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثبات کو رؤیتِ قلب پر محمول کیا جائے۔'' [2]

اس جمع و تطبیق سے تمام صحابہ کا موقف ایک ہو جاتا ہے اور ان کے مابین اختلاف نہیں رہتا۔ سب اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں سے اللہ کو نہیں دیکھا۔ باقی رہ جاتی ہے یہ بات کہ دل کے ساتھ دیکھنے کا مطلب کیا ہے؟ تو اس کی حقیقت کو ہم جان سکتے ہیں نہ بیان ہی کر سکتے ہیں۔ اس کا مفہوم اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

شریک بن عبداللہ کی روایت اور اس کا وہم و تفرد

اب رہ جاتی ہے بات شریک بن عبداللہ کی روایت کی جو صحیح بخاری کی کتاب التوحید میں

① فتح الباری: 773/8

② فتح الباری، التفسیر: 774/8

ہے۔اس میں وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔اس میں وہ کہتا ہے کہ ''ساتویں آسمان کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اوپر بلند ہوئے جس کو اللہ ہی جانتا ہے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آ گئے اور جبار رب العزت قریب ہوا اور اترا (یا جھک آیا) یہاں تک کہ وہ آپ کے دو کمانوں کے بقدر یا اس سے بھی کم قریب ہو گیا۔پس اللہ نے جو وحی کی اس میں آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''معراج کی حدیث صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے روایت کی ہے لیکن صحیحین (بخاری و مسلم) میں اس کے سارے طرق حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گرد ہی گھومتے ہیں یعنی ان کے واسطے ہی سے مروی ہیں اگرچہ ان سے روایت کرنے والے راویوں کے بیانات میں اختلاف ہے۔ایک راوی جو بیان کرتا ہے، وہ دوسرے راوی کی روایت میں نہیں ہے۔''[2]

پس شریک کی یہ روایت ایسی ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے دیگر تمام راویوں سے بہت مختلف ہے اور اس میں اس کے ایسے تفردات ہیں جو کسی روایت میں نہیں ہیں۔اسی لیے محدثین نے اس کے ان تفردات کو اس کا وہم قرار دیا ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے ایسے دس سے بھی زیادہ اوہام بیان کیے ہیں۔''[3]

مذکورہ اقتباس میں بھی اس شریک نے ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾ کی ضمیروں کا مرجع جو اللہ کو قرار دیا ہے، اس میں بھی وہ اکیلا ہے اور اسے وہم ہوا ہے کیونکہ یہ

---

① صحيح البخاري، التوحيد، باب ماجاء في قوله عزوجل: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ حديث:7515

② فتح الباري، ج:1 ص:596

③ فتح الباري، باب مذكور، ج: 13، ص: 593, 594

بات حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے کسی اور راوی نے بیان نہیں کی۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ معراج کی وہ حدیث بیان کر کے جو ثابت البنانی عن انس کے طریق سے مروی ہے، شریک بن عبداللہ عن انس کی حدیث کا حوالہ دے کر اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں:

«وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِقِصَّتِهِ نَحْوَ حَدِيثِ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، وَقَدَّمَ فِيهِ شَيْئًا وَأَخَّرَ وَزَادَ وَنَقَصَ»

''شریک نے معراج کا قصہ اسی طرح بیان کیا ہے جیسے ثابت بنانی نے بیان کیا ہے، لیکن شریک نے کچھ چیزیں آگے پیچھے کر دیں علاوہ ازیں اس نے کمی بیشی کا بھی ارتکاب کیا ہے۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ شریک کے بارے میں امام مسلم رحمہ اللہ کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں:

''اور وہ ایسا ہی ہے جیسا امام مسلم نے کہا ہے۔ اس لیے کہ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر نے اس حدیث کے بیان کرنے میں اضطراب کا اظہار کیا ہے اور اس کا حافظہ خراب ہو گیا، اور وہ اسے صحیح طریقے سے یاد نہیں رکھ سکا جیسا کہ اس کی تفصیل دوسری احادیث بیان کرتے وقت آئے گی۔ اور بعض نے اسے معراج کی تمہید کے طور پر خواب قرار دیا ہے۔ اور حافظ ابوبکر رحمہ اللہ یعنی امام بیہقی نے حدیث شریک کے بارے میں کہا ہے: ''یہ ایسا اضافہ ہے جس میں وہ متفرد (تنہا) ہے۔ اس نے یہ بات ان لوگوں کے مذہب کے مطابق کہی ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، یعنی راوی عبداللہ بن شریک کا یہ قول: ''پھر جبار عزت والا قریب ہوا اور اتر آیا، پس وہ اتنا قریب ہو گیا جیسے دو کمانوں کے بقدر یا اس سے بھی کم کا فاصلہ۔''

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 162

امام بیہقی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

''اور حضرت عائشہ، ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا قول کہ انھوں نے ان آیات کو رؤیت جبریل علیہ السلام پر محمول کیا ہے، یہی زیادہ صحیح ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''امام بیہقی نے اس مسئلے میں جو کہا ہے وہ حق ہے، اس لیے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''وہ تو نور ہے میں اسے کیونکر دیکھ سکتا تھا۔'' ایک روایت میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے نور دیکھا ہے۔ (اللہ کو نہیں۔'')[1]

اور سورۂ نجم میں اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى﴾ سے مراد صرف جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ صحیحین میں ام المومنین عائشہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور اس آیت کی تفسیر جبریل علیہ السلام کے ساتھ کرنے میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی ان مذکورہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مخالف نہیں ہے۔''[2]

اور سورۂ نجم کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ مُقْتَرِب، دانی (قریب ہونے والا) جو اپنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوگیا، یہ جبریل علیہ السلام ہیں۔ یہی قول ام المومنین عائشہ، ابن مسعود، ابوذر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا ہے، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل کے ساتھ دو مرتبہ دیکھا ہے۔ پس انھوں نے ان میں سے ایک رؤیت کو اس

---

① صحيح مسلم، الإيمان، حديث:178

② تفسير ابن كثير، سورة بني إسرآئيل،ج : 5، ص : 6 مكتبة الشعب، قاهره

آیت کا مصداق بنادیا ہے، اور شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کی حدیث اسراء میں جو حضرت انس کے واسطے سے ہے، آیا ہے [ثُمَّ دَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰی] (یعنی اس آیت نجم میں ضمیروں کا فاعل اللہ کو قرار دے کر کہا ہے:) ''پھر جبار رب العزت قریب ہوا اور اتر آیا۔'' (یہ صحیح نہیں ہے) اسی لیے اکثر لوگوں نے اس روایت کے متن میں کلام کیا ہے اور ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جن میں غرابت ہے۔ پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ کسی اور وقت اور کسی اور قصے پر محمول کی جائے گی نہ کہ اسے اس آیت کی تفسیر تسلیم کیا جائے۔ اس لیے کہ آیت کے سیاق سے واضح ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا ہے جب رسول اللہ ﷺ زمین پر تھے نہ کہ شب معراج میں آسمانوں پر۔ اسی لیے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى، عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ ''اسے ایک مرتبہ اور دیکھا سدرۃ المنتہٰی کے پاس۔'' پس یہ شب معراج کا واقعہ ہے اور اس سے پہلے جبریل کے دیکھنے کا واقعہ زمین کا ہے۔''[1]

امام نووی رحمہ اللہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''شریک کی اس حدیث معراج کی روایت میں بہت سے اوہام ہیں جن پر علماء نے گرفت کی ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی یہ کہہ کر کہ اس نے تقدیم و تاخیر کا اور کمی بیشی کا ارتکاب کیا ہے، اس پر تنبیہ کی ہے۔ (پھر اس کے بعد اس کے بعض اوہام کی مثالیں دے کر ان کی وضاحت کی ہے۔ اس کے بعد امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے:) قاضی عیاض نے شریک کی اس روایت کے بارے میں جو کہا ہے، نیز یہ کہ اہل علم نے ان پر گرفت کی ہے۔ یہ بات قاضی کے علاوہ اور لوگوں نے بھی کی ہے...... حافظ عبدالحق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الجمع بين الصحيحين'' میں اس حدیث کو انھی

[1] تفسیر ابن کثیر، سورۃ النجم، ج: 7، ص: 422

الفاظ میں (جس طرح وہ بخاری کی کتاب التوحید میں مفصل موجود ہے) شریک کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے کہ اس نے اس روایت میں ایسے اضافے کیے ہیں جو مجہول ہیں اور ایسے الفاظ بیان کیے ہیں جو غیر معروف ہیں، حالانکہ حدیث معراج کو حفاظ متقنین اور ائمہ مشہورین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ جیسے ابن شہاب (زہری)، ثابت البنانی اور قتادہ رحمہم اللہ ہیں۔ یہ سب حضرات حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کے واسطے سے بیان کرتے ہیں لیکن ان میں سے کسی نے بھی وہ بات بیان نہیں کی جو شریک نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کی ہے اور شریک محدثین کے نزدیک حافظ نہیں ہے۔ اس لیے دیگر راویوں کی جو احادیث اس سے قبل بیان ہوئی ہیں، وہی قابل اعتماد ہیں۔"[1]

شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ شریک کے اوہام وتفردات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

«قُلْتُ : وَلِذٰلِكَ فَإِنَّ الْقَلْبَ لَا يَطْمَئِنُّ لِلْاِسْتِفَادَةِ مِنْ حَدِيثِهِ إِلَّا فِيمَا تُوبِعَ عَلَيْهِ وَهُوَ قَلِيلٌ جِدًّا ، وَقَدْ حَسَّنَ الْحَافِظُ بَعْضَهَا ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ»

"میں کہتا ہوں: اسی لیے اس کی حدیث سے استفادہ کرنے پر دل مطمئن نہیں ہوتا، سوائے ان باتوں کے جن کو دوسرے راوی بھی بیان کرتے ہیں اور وہ بہت کم ہیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان میں سے بعض کو حسن کہا ہے۔"[2] واللہ اعلم.

ان کے علاوہ امام خطابی، امام ابو محمد ابن حزم اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ نے بھی شریک کے تفردات واوہام کو بیان کیا ہے جس کی تفصیل فتح الباری، جلد:13 کتاب التوحید میں دیکھی

---

[1] شرح نووی، ج: 2، ص: 209، 210

[2] رسالة الإسراء والمعراج، المكتبة الإسلامية عمان، اردن

جاسکتی ہے۔اگر چہ بعض علماء نے ان تفردات واوہام کی ایسی توجیہات بھی کی ہیں جن سے شریک کی روایت دوسرے راویوں کی بیان کردہ تفصیلات کے قریب ہوجاتی ہے لیکن یہ توجیہات تکلفات سے خالی نہیں ۔ بنابریں شریک کی روایت کے صرف وہ حصے صحیح ہیں جو دوسرے راویوں کی روایات کے مطابق ہیں اور اس کے اوہام وتفردات نا قابل قبول ہیں۔ اس اعتبار سے اس کی روایت بھی نامقبول قرار نہیں پاتی کیونکہ وہ بخاری کا راوی ہے اوراس کی روایت بھی صحیح بخاری میں ہے اور محدثین نے بعض تاریخی اوہام کو صحت سند میں قادح نہیں مانا ہے۔صرف اوہام کو صحیح تسلیم نہیں کیا جاتا۔شریک کو بہ حیثیت مجموعی محدثین نے ثقات ہی میں شمار کیا ہے اور ثقہ راوی کی پوری حدیث کو اس کے وہم کی وجہ سے ساقط قرار نہیں دیا جاتا۔ چنانچہ ابن طاہر لکھتے ہیں:

«وَعَلٰی تَقْدِیرِ تَسْلِیمِ تَفَرُّدِهِ لَا یَقْتَضِی طَرْحَ حَدِیثِهِ فَوَهْمُ الثِّقَةِ فِی مَوْضِعٍ مِّنَ الْحَدِیثِ لَا یُسْقِطُ جَمِیعَ الْحَدِیثِ، وَلَا سِیَمَا إِذَا کَانَ الْوَهْمُ لَا یَسْتَلْزِمُ ارْتِکَابَ مَحْذُورٍ، وَلَوْ تُرِكَ حَدِیثُ مَنْ وَّهِمَ فِی تَارِیخٍ لَتُرِكَ حَدِیثُ جَمَاعَةٍ مِّنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِینَ»

''شریک کے تفردات کو تسلیم کر لینا بھی اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ اس کی حدیث کو چھوڑ دیا جائے، اس لیے کہ ثقہ راوی کا حدیث کے کسی مقام پر وہم کرنا، اس کی تمام حدیث کو ساقط نہیں کرتا۔ خاص طور پر جب کہ اس کا وہم ایسا ہو جس سے کسی محذور کا ارتکاب لازم نہیں آتا۔اگر تاریخی اوہام کی وجہ سے حدیث کو چھوڑ دیا جائے گا تو ائمۂ مسلمین کی ایک جماعت کی حدیثوں کو چھوڑنا پڑے گا۔''[1]

---

[1] فتح الباری، التوحید : 593/13

شیخ البانی رحمہ اللہ اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«حَتَّى صَارَ عُرْفًا عَامًّا أَنَّ الْحَدِيثَ إِذَا أَخْرَجَهُ الشَّيْخَانِ أَوْ أَحَدُهُمَا فَقَدْ جَاوَزَ الْقَنْطَرَةَ وَدَخَلَ فِي طَرِيقِ الصِّحَةِ وَالسَّلَامَةِ، وَلَا رَيْبَ فِي ذٰلِكَ، وَإِنَّهُ هُوَ الأَصْلُ عِنْدَنَا، وَلَيْسَ مَعْنٰى ذٰلِكَ أَنَّ كُلَّ حَرْفٍ أَوْ لَفْظَةٍ أَوْ كَلِمَةٍ فِي "الصَّحِيحَيْنِ" هُوَ بِمَنْزِلَةِ مَا فِي "الْقُرْآنِ" لَا يُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ فِيهِ وَهْمٌ أَوْ خَطَأٌ فِي شَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ مِنْ بَعْضِ الرُّوَاةِ، كَلَّا فَلَسْنَا نَعْتَقِدُ الْعِصْمَةَ لِكِتَابٍ بَعْدَ كِتَابِ اللهِ أَصْلاً»

"یہ عرف عام بن چکا ہے کہ حدیث کو جب امام بخاری و مسلم نے یا ان میں سے کسی ایک نے روایت کر دیا تو اس حدیث نے پل پار کرلیا اور وہ صحت و سلامتی کے راستے میں داخل ہوگئی۔ اور اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں اور ہمارے نزدیک یہی اصل ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہر وہ حرف یا لفظ یا کوئی کلمہ جو صحیحین میں ہے وہ بہ مرتبۂ قرآن ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ بعض راویوں کی وجہ سے اس میں سے کسی میں وہم یا غلطی ہو، ہرگز نہیں، ہم کتاب اللہ کے بعد کسی بھی کتاب کی عصمت کا قطعاً اعتقاد نہیں رکھتے۔"[1]

بہرحال اس تفصیل سے واضح ہے کہ شب معراج میں نبی ﷺ نے اللہ کا دیدار کیا نہ براہ راست گفتگو کی اور نہ آپ کا دنو و تدلی کا وہ تعلق اللہ کے ساتھ ہوا جس کا اظہار سورۂ نجم کی آیت کی تفسیر میں بعض لوگوں نے کیا ہے۔

[1] مقدمہ شرح عقیدۃ الطحاویۃ، ص: 15 مطبوعہ مکتبۃ زهیر الشاویش
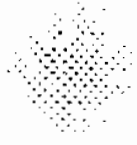
امام ابن القیم ؒ کا موقف اور اس کی تردید

امام ابن القیم ؒ نے (زادالمعاد، ج:3 ص:38 طبع جدید) میں یہ تو تسلیم کیا ہے کہ سورۃ النجم میں جو دو مرتبہ دُنُوّ و تَدَلّی کا ذکر ہے اس سے مراد نبی ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ لیکن انھوں نے لکھا ہے کہ معراج کے موقع پر اس کے علاوہ اللہ اور نبی ﷺ کے درمیان بھی قرب ہوا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ آپ کے اتنا قریب اور نیچے اُتر آیا کہ دو کمانوں کے بقدر یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔

امام ابن قیم ؒ کے اس موقف کو انھی کے حوالے سے صاحب شرح عقیدۃ الطحاویہ نے بھی نقل کیا ہے اور ''الرحیق المختوم'' کے فاضل مصنف مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔

لیکن اس موقف کی بنیاد جیسا کہ اس سے پہلے وضاحت گزر چکی ہے، شریک بن عبداللہ کی روایت کے وہ الفاظ ہیں جس میں اس نے کہا ہے کہ نبی ﷺ کے سدرۃ المنتہیٰ پر آنے کے بعد جبار رب العزت قریب ہوا اور نیچے اتر آیا یہاں تک کہ وہ آپ کے اتنا قریب ہو گیا جتنا دو کمانوں کا فاصلہ ہوتا ہے یا اس سے بھی قریب تر۔

لیکن حفاظ حدیث اور شارحین حدیث نے وضاحت کی ہے کہ یہ شریک راوی کا وہم اور اس کا تفرد ہے۔ اس بنا پر شریک کی روایت کا یہ حصہ نا قابل قبول ہے، چنانچہ شرح عقیدۃ الطحاویہ کے حاشیے میں شیخ ناصر الدین البانی ؒ لکھتے ہیں:

«إِنَّ الدُّنُوَّ الْمَذْكُورَ فِي هٰذَا السِّيَاقِ هُوَ مِنْ رِوَايَةِ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ الَّذِي غَلَطَهُ الْحَافِظُ فِي أَلْفَاظٍ مِّنْ حَدِيثِ الْإِسْرَاءِ كَمَا ذَكَرَ الْمُؤَلِّفُ آنِفًا، وَمِنْ ذٰلِكَ هٰذَا اللَّفْظُ كَمَا بَيَّنَهُ

الْحَافِظُ ابْنُ كَثِيرٍ فِي تَفْسِيرِ "الإِسْرَاءِ" وَمِنْ قَبْلِهِ الْبَيْهَقِيُّ فِي "الْأَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ"، ص: ٤٤٠-٤٤٢»

''اس سیاق میں جس دُنُوّ (قربت الٰہی) کا ذکر ہے، یہ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کی روایت سے ہے جس کی حفاظ حدیث نے معراج کی حدیث میں تغلیط کی ہے۔ ان ہی غلطیوں میں یہ الفاظ بھی ہیں جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ الاسراء کی تفسیر میں اوران سے پہلے امام بیہقی نے ''الاسماء والصفات'' کتاب میں بیان کیا ہے۔''[1]

اسی طرح ''زادالمعاد'' کے محقق اور مخرج لکھتے ہیں:

«هٰذِهِ الْجُمْلَةُ مِنَ الزِّيَادَاتِ الَّتِي أَخْرَجَهَا الْبُخَارِيُّ فِي "صَحِيحِهِ" مِنْ طَرِيقِ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ وَهِيَ مِنْ أَوْهَامِهِ الَّتِي تَفَرَّدَ بِهَا، فَكَانَ عَلَى الْمُؤَلِّفِ رَحِمَهُ اللهُ أَنْ يُنَبِّهَ عَلٰى ذٰلِكَ»

''یہ جملہ اُن اضافہ جات سے ہے جسے امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں شریک بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور یہ اس کے ان اوہام میں سے ہے جن کے بیان کرنے میں وہ اکیلا ہے، پس مؤلف (امام ابن القیم رحمہ اللہ) کی ذمہ داری تھی کہ اس پر تنبیہ کرتے (نہ کہ اسے صحیح سمجھ کر اسے بیان کرتے۔'')[2]

[1] شرح عقیدۃ الطحاویۃ، ص: 248، مکتبہ زهیر الشاویش

[2] زاد المعاد: 35/3

باب:4

معراج کی آیاتِ کبریٰ

عظیم نشانیاں

قرآن مجید میں اِسْرَاء (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا بذریعہ براق سفر) کا مقصد یہ بتلایا گیا ہے: ﴿لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ (بنی إسرائیل 17:1) ''تاکہ ہم اپنے بندے (پیغمبر) کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔'' اسی طرح سورۂ نجم میں معراج (سیر آسمانی) کی بعض تفصیلات بیان کی گئی ہیں، فرمایا: ﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ (النجم 53:18) ''اللہ کے پیغمبر نے (وہاں) اپنے رب کی بعض بڑی نشانیاں دیکھیں۔''

ان دونوں آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اسراء و معراج کی رات میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی بہت سی عظیم نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔ ان میں سے چند بڑی نشانیاں حسب ذیل ہیں:

- شق صدر کے بعد نبی ﷺ کے قلب اطہر کا نکالنا اور پھر اسے دھو کر دوبارہ اپنے مقام پر رکھ دینا، بھی ایک عظیم نشانی ہے کیونکہ اس دور میں تو طب و سائنس کی وہ ترقی نہیں تھی جو آج کل عام ہے۔ اس دور میں دل کا اپنے مقام سے باہر نکال لینا موت کے مترادف تھا لیکن نبی ﷺ کو کچھ نہیں ہوا، یہ اللہ کا حکم اور اس کی مشیت تھی۔ اللہ کے خصوصی فضل و کرم سے آپ کی زندگی محفوظ ہی رہی تا آنکہ آپ کا دل ایمان و حکمت سے بھر کر اپنے
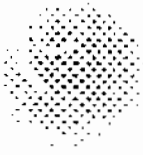
مقام پر رکھ دیا گیا۔

* دوسری بڑی نشانی: اللہ تعالیٰ کی طرف سے براق جیسی برق رفتار سواری کا انتظام کرنا تھا جس نے ڈیڑھ دو مہینے کے سفر کو رات کے ایک نہایت قلیل حصے میں طے کرا دیا۔
* تیسری بڑی نشانی: معراج (سیڑھی) کے ذریعے سے نبی ﷺ کا آسمانوں پر لے جانا ہے۔ یہ کیسی عظیم الشان سیڑھی ہوگی جو آسمانوں پر چڑھنے کے لیے آپ کو مہیا کی گئی۔ براق کو آپ نے بیت المقدس میں باندھ دیا تھا۔ آسمانوں سے واپس آنے کے بعد آپ نے دوبارہ بیت المقدس سے مسجد حرام تک کا سفر اسی براق پر کیا۔
* چوتھی بڑی نشانی: بیت المقدس میں تمام انبیاء کا جمع کرنا اور ان کا نبی ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنا ہے، یہ واقعہ چاہے آسمانوں پر جانے سے پہلے کا ہو یا آسمانوں سے واپسی پر (جیسا کہ اس میں اختلاف ہے) اس کی اہمیت واضح ہے۔
* پھر ایک انسان کا آسمانوں پر عروج بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہے، یہ بجائے خود ایک بہت عظیم نشانی ہے۔
* پھر آسمانوں پر جلیل القدر انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتوں کا خصوصی اہتمام بھی نبی ﷺ کی امتیازی شان کا اظہار اور ایک عظیم نشانی کا مشاہدہ ہے۔
* سدرۃ المنتہیٰ کا مشاہدہ جو مقام انتہاء ہے، بالائی چیزوں کا بھی اور ارضی چیزوں کا بھی۔ اس سے اوپر کی چیزیں بھی جنھیں نیچے اترنا ہوتا ہے ان کا نزول پہلے یہاں ہوتا ہے: فرشتے اسے یہاں سے وصول کر کے اس کے مطابق کارروائی کرتے ہیں اور نیچے زمین سے اوپر (آسمانوں) کو جانے والی چیزیں بھی یہاں آکر ٹھہر جاتی ہیں اور پھر اس کے بعد ان کو جہاں لے جانا ہوتا ہے، لے جایا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ بہت ہی اہم مقام اور نہایت اہم مرکز ہے۔ علاوہ ازیں یہ مرکز تجلیات الٰہی بھی ہے۔ اس کے گرد سونے کے پروانے محو

پرواز رہتے ہیں۔اس کے حسن وجمال اور رعنائی منظر کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔اسی کے پاس جنت الماویٰ بھی ہے۔اسی جگہ پر [صَرِیفُ الْأَقْلَامِ] "قلموں کے چلنے کی آوازیں" بھی نبی ﷺ نے سنی تھیں جس کا مطلب ہے کہ یہیں فرشتے لوح محفوظ سے قضا وقدر کے فیصلے نوٹ کرتے ہیں۔اسی مقام پر نبی ﷺ کو وہ تین چیزیں ملیں جو شب معراج کے خاص تحفے ہیں جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔اسی کے پاس اس رات کو نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دوسری مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔یہاں چار نہریں بھی دیکھیں جن کے سوتے اسی مقام پر ہیں۔گویا سدرۃ المنتہیٰ بہت سے مشاہدات کا مجموعہ اور عجائبات آسمانی کا مظہر ہے۔

- ساتویں آسمان پر بیت المعمور دیکھا جو فرشتوں کی عبادت گاہ ہے جس سے اللہ کی اس نورانی مخلوق کی عظمت وکثرت کا مشاہدہ ہوا کہ روزانہ ستر ہزار فرشتے اس میں عبادت کے لیے آتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی دوبارہ باری نہیں آتی۔
- جنت ودوزخ اور اس کے بعض مناظر کا مشاہدہ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔
- اور یہ سب کچھ رات کے ایک نہایت ہی قلیل حصے میں ہوا جس کے لیے مہینوں درکار تھے بلکہ کسی انسان کے یہ بس میں ہی نہیں تھا کہ وہ ان عجائبات کو دیکھ سکے جن کا مشاہدہ نبی ﷺ کو شب معراج میں کرایا گیا۔

معراج کے مزید چند مستند مشاہدات

مذکورہ دس نکتوں پر غور کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نکتہ اور پہلو، ایک عظیم نشانی ہے اور ان کا مشاہدہ فی الواقع: ﴿لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ اور ﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾ کا مصداق ومظہر ہے۔تاہم ان کے علاوہ بھی کچھ اور مشاہدات ہیں جو نبی ﷺ نے

اپنے اس عظیم معجزاتی سفر میں کیے۔ ان میں سے جو سنداً صحیح ہیں، ان میں سے چند اہم واقعات حسب ذیل ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا

نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس رات مجھے سیر کرائی گئی، اس رات کو میں نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔''[1]

قبر، یعنی برزخ میں آپ کو مشاہدہ کروایا گیا، اس سے برزخ کی زندگی کا اثبات ہوتا ہے جو ہر انسان کو حاصل ہوتی ہے، چاہے وہ مومن ہو یا کافر۔ انبیاء علیہم السلام تو تمام انسانوں میں افضل ہوتے ہیں، اس لیے یقیناً یہ برزخی زندگی انھیں دوسرے عام انسانوں کے مقابلے میں زیادہ بہتر انداز سے حاصل ہوتی ہوگی لیکن یہ زندگی کس قسم کی ہے؟ اس کی نوعیت و کیفیت کیسی ہے؟ اس کی تفصیل کا ہمیں علم ہے نہ ہم اسے بیان کر سکتے ہیں، تاہم اس کی بابت یہ دعویٰ کرنا کہ وہ دنیوی زندگی ہی کی طرح ہے بلکہ اس سے زیادہ قوی ہے جیسا کہ بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر انھیں منوں مٹی کے نیچے دبا کر رکھنے کی ضرورت کیا ہے؟

داروغۂ جہنم اور دجال کا مشاہدہ

آپ کو داروغۂ جہنم جس کا نام مالک ہے، اور دجال جس کا خروج قیامت کے قریب ہوگا، ان دونوں کا مشاہدہ بھی اسی رات کی نشانیوں کے طور پر کرایا گیا۔[2]

[1] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ، حدیث: 2375

[2] صحیح مسلم، باب الإسراء، حدیث: 165

جنت کا مشاہدہ

سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچنے اور وہاں بہت سے عجائبات کا مشاہدہ کرنے کے بعد، نبی ﷺ نے فرمایا:

«ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا فِيهَا جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ، وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ»

''پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا تو میں نے وہاں دیکھا کہ موتیوں کے قبے ہیں اور اس کی مٹی کستوری ہے۔''[1]

کوثر نہر کا مشاہدہ

جنت میں آپ نے کوثر نہر کا مشاہدہ فرمایا، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: جب نبی ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ نے فرمایا:

«أَتَيْتُ عَلٰى نَهْرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ مُجَوَّفٌ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا يَاجِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰذَا الْكَوْثَرُ»

''میں ایک نہر پر آیا اس کے دونوں کنارے موتیوں کے قبوں کے تھے، میں نے پوچھا، جبریل علیہ السلام یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا، یہ کوثر ہے۔''[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَمَا أَنَا أَسِيرُ فِي الْجَنَّةِ إِذَا أَنَا بِنَهْرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ الدُّرِّ الْمُجَوَّفِ، قُلْتُ: مَا هٰذَا يَاجِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ...... حديث : 163

[2] صحيح البخاري، التفسير، باب تفسير سورة الكوثر، حديث : 4964

أَعْطَاكَ رَبُّكَ، فَإِذَا طِيْبُهُ أَوْ طِيْنُهُ مِسْكٌ أَذْفَرُ»

''میں ایک وقت جنت کی سیر کر رہا تھا کہ میں نے وہاں ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کنارے جوف دار موتیوں کے قبے تھے۔ میں نے پوچھا، جبریل! یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کی ہے، اس کی مٹی خوشبودار کستوری ہے۔''[1]

ایک تیسری روایت ہے جس کا راوی شریک بن عبداللہ بن ابی نمر ہے۔ اس کی روایت اوہام کا مجموعہ ہے اس میں اسے پہلے آسمان کے مشاہدات میں بیان کیا گیا ہے۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شریک کی روایت کے جن دس سے زیادہ اوہام کا ذکر کیا ہے، انھی اوہام میں سے ایک وہم نہر کوثر کا ذکر پہلے آسمان پر کرنا ہے۔[3]

بہرحال ان روایات سے اس بات کا اثبات ہوتا ہے کہ کوثر نہر جنت میں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقع پر جنت میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روز محشر میدان حشر میں ایک حوض عطا کیا جائے گا جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ پاکیزہ اور اس میں رکھے گئے آبخورے، آسمان کے تاروں کی طرح ان گنت ہوں گے جو اس سے پانی پی لے گا، کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔[4]

اس حوض کو بھی حوض کوثر کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حوض جنت سے متصل جنت کے ایک جانب ہوگا اور اس میں پانی جنت کے اندر جو نہر کوثر ہے اس سے آئے گا۔[5]

---

① صحيح البخاري، الرقاق، باب في الحوض، حديث: 6581

② صحيح البخاري، التوحيد، باب37، حديث:7517

③ فتح الباري، ج: 13، ص: 593

④ صحيح البخاري، الرقاق، باب الحوض، حديث: 6579

⑤ فتح الباري، ج:1، ص: 567

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ سننا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس رات نبی ﷺ کو معراج کرائی گئی اور آپ جنت میں گئے تو جنت کی ایک جانب سے آپ نے قدموں کی آہٹ سنی۔ آپ نے پوچھا: ''جبریل! یہ کیا ہے؟'' جبریل علیہ السلام نے کہا: ''یہ بلال مؤذن کی آواز ہے۔'' تو نبی ﷺ نے واپس آنے کے بعد لوگوں کو بتلایا: ''بلال کامیاب ہوگیا، میں نے اسے (جنت میں) اس اس طرح دیکھا۔''[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لقب ''صدیق'' کی وجہ تسمیہ

نبی ﷺ نے صبح کو جب یہ بیان کیا کہ وہ رات کو اس اس طرح مسجد اقصیٰ گئے اور وہاں سے آسمانوں پر گئے تو بہت سے لوگوں نے اس پر یقین نہیں کیا حتی کہ بعض نئے نئے ایمان لانے والے بھی یہ واقعہ سن کر ایمان سے پھر گئے، اور دوڑے دوڑے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا: تم نے سنا، تمھارے ساتھی (پیغمبر) نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ آج کی رات بیت المقدس کی سیر کر کے آئے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا انھوں نے ایسا کہا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر انھوں نے کہا ہے تو واقعی سچ ہی ہوگا۔ لوگوں نے کہا: کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ رات کو بیت المقدس گئے اور صبح ہونے سے پہلے ہی واپس بھی آ گئے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، میں تو ان کی اس سے بھی زیادہ بڑی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں تو ان کی صبح و شام ان باتوں کی تصدیق کرتا ہوں

[1] الفتح الربانی لترتیب مسند الإمام احمد بن حنبل الشیبانی، ج: 20، ص: 254، 255، مطبوعہ مصر

جوآسمان سے ان کے پاس آتی ہیں، چنانچہ اسی وجہ سے ابوبکر کا نام الصدّیق رکھ دیا گیا۔[1]

مشّاطہ فرعون کا حسن انجام

مشّاطہ کے معنی ہیں، بالوں کو بنانے سنوارنے والی، بالوں میں کنگھی پھیرنے والی۔ فرعون نے اپنے اہل خانہ کی خدمت کے لیے مشّاطہ (جسے آج کل کی اصطلاح میں بیوٹی میکر کہا جاسکتا ہے) رکھی ہوئی تھی۔ یہ فرعون کو نہیں بلکہ اللہ کو رب ماننے والی تھی۔ یہ ایک مرتبہ فرعون کی بیٹی کے بالوں میں کنگھی پھیر رہی تھی کہ اس کے ہاتھ سے کنگھی گرگئی تو اس کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے "فرعون ہلاک ہو۔" تو بیٹی نے یہ بات اپنے باپ فرعون کو بتلا دی جس پر اس نے اسے قتل کروادیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "معراج کی رات میں نے ایک بڑی پاکیزہ خوشبو محسوس کی تو میں نے پوچھا: "جبریل! یہ خوشبو کیا ہے؟" جبریل علیہ السلام نے کہا: "یہ مشّاطہ، اس کا خاوند اور اس کی بیٹی ہے۔"[2]

شیخ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے لیکن اس کا ایک اور شاہد ہے جس سے اسے تقویت مل جاتی ہے۔[3]

حجامت (سینگی لگوانے) کی اہمیت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے شب معراج کی بابت فرمایا:

«مَا مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي بِمَلاءٍ، إِلَّا قَالُوا: يَامُحَمَّدُ! مُرْ أُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ»

[1] الصحيحة للألباني: 615/2، رقم الحديث: 306

[2] الإسراء والمعراج للألباني، ص: 56

[3] الإسراء والمعراج للألباني، ص: 57

"میں معراج کی رات فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے بھی گزرتا وہ یہی کہتا:
اے محمد (ﷺ)! اپنی امت کو سینگی لگوانے کا حکم دیں۔"[1]

سینگی لگانے کو پچھنے لگانا بھی کہتے ہیں۔ جس کا مطلب نشتر یا استرے سے جسم کو گود کر جسم سے خون نکالنا ہے۔ (نور اللغات)

یہ ایک طریقۂ علاج ہے جس سے فاسد خون نکل جاتا ہے اور فاسد خون کے نکل جانے سے انسان صحت یاب ہو جاتا ہے یہ بہت کامیاب طریقۂ علاج تھا لیکن یونانی حکمت اور طریقۂ علاج کے زوال پذیر ہونے کے ساتھ ہی یہ طریقۂ علاج بھی تقریباً متروک ہو گیا ہے۔ نبی ﷺ کے زمانے میں بھی یہ طریقۂ علاج رائج تھا اور آپ نے خود بھی کئی مرتبہ سینگی لگوائی ہے جس کو عربی میں "حجامت" کہتے ہیں۔

اس حدیثِ معراج سے بھی اس طریقۂ علاج کی اہمیت وفضیلت کا اثبات ہوتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا ایک اور منظر

یہ تو پہلے گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ان میں سے ایک موقع شب معراج کا ہے جس میں آپ نے جبریل کو سبز رنگ کے ریشمی لباس میں دیکھا جس نے آسمانی افق (کناروں) کو بھر دیا تھا۔[2] لیکن اسی معراج کے موقع پر اللہ کے نبی نے حضرت جبریل علیہ السلام کا ایک اور منظر بھی ملاحظہ فرمایا اور یہ وہ منظر تھا جب جبریل علیہ السلام پر اللہ کی خشیت طاری تھی اس خشیت الٰہی نے انھیں ایسے کر دیا تھا جیسے پرانا بوسیدہ ٹاٹ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] سنن ابن ماجه، الطب، باب الحجامة، حديث: 3479 والصحيحة للألباني، حديث: 2263

[2] صحيح البخاري، تفسير سورة النجم، حديث: 4858
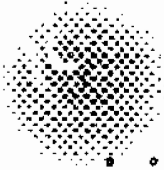
«مَرَرْتُ بِجِبْرِيلَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي بِالْمَلَإِ الْأَعْلٰى، وَهُوَ كَالْحِلْسِ الْبَالِي مِنْ خَشْيَةِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ»

''میں شب معراج کو ملأ اعلیٰ (فرشتوں کی مجلس) میں جبریل علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو وہ اللہ عزوجل کے خوف سے ایسے تھے جیسے پرانا بوسیدہ ٹاٹ ہوتا ہے۔''[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امت محمدیہ کے نام خصوصی پیغام

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَقِيتُ إِبْرَاهِيمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي فَقَالَ: يَامُحَمَّدُ! أَقْرِءْ أُمَّتَكَ مِنِّيَ السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ، وَأَنَّهَا قِيعَانٌ، وَأَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ»

''شب معراج کو میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انھوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہیے اور ان کو بتلائیے کہ جنت کی مٹی بڑی عمدہ ہے، پانی میٹھا ہے، لیکن وہ چٹیل میدان ہے (اس میں کاشت کرنے کی ضرورت ہے) اس کی کاشت کاری: [سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ] ہے۔''[2]

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی فضیلت

ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

---

① الصحيحة: 362/5، حديث: 2289

② جامع الترمذي، الدعوات، باب أن غراس الجنة ......، حديث: 3462

«مُرْ أُمَّتَكَ فَلْيُكْثِرُوا مِنْ غِرَاسِ الْجَنَّةِ، فَإِنَّ تُرْبَتَهَا طَيِّبَةٌ، وَأَرْضُهَا وَاسِعَةٌ، قَالَ: وَمَا غِرَاسُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ»

''اپنی امت سے کہیں کہ وہ جنت میں خوب کاشت کاری کریں، اس لیے کہ اس کی مٹی بڑی عمدہ ہے اور اس کی زمین فراخ ہے۔ نبی ﷺ نے پوچھا: ''جنت کی کاشت کاری کیا ہے؟'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: [لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه]۔''[1]

مذکورہ دونوں روایتوں کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے شواہد کی بنیاد پر صحیح قرار دیا ہے۔[2]

① مسند أحمد 418:5

② الصحيحة، ج:1ص: 165۔166 حديث:105 والإسراء والمعراج، ص: 99-107

باب:5

جہنم کے چند مشاہدات

معراج کے موقع پر نبی ﷺ کو جنت کے اندر داخل ہونے کا اور وہاں چند چیزوں کے مشاہدے کا اعزاز حاصل ہوا جیسا کہ اس کی مختصر مستند تفصیل گزر چکی ہے۔اسی طرح جہنم اوراس کے عذاب کی بھی ایک جھلک آپ کو دکھائی گئی۔

غیبت کرنے والوں کا انجام بد

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جہنم میں آپ نے دیکھا، کچھ لوگ ہیں جو مردار کھا رہے ہیں۔آپ نے پوچھا: ''جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے کہا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔''[1]

سنن ابوداود میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَمَّا عُرِجَ بِی مَرَرْتُ بِقَوم لَّهُمْ أَظْفَارٌ مِّنْ نُّحَاسٍ يَّخْمِشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَاجِبْرِيلُ؟ قَالَ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقَعُونَ فِی أَعْرَاضِهِمْ»

---

[1] الفتح الربانی، ج:20، ص:255
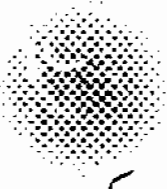
''معراج کے موقع پر میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے ناخن پیتل کے تھے، وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے، میں نے پوچھا: ''جبریل! یہ کون لوگ ہیں''؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی بے عزتی کرتے تھے۔''[1]

لوگوں کا گوشت کھانے سے مراد غیبت کرنا ہے، یعنی پیٹھ پیچھے لوگوں کے عیوب بیان کرنا۔ اس غیبت کو قرآن کریم میں اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًاۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُۚ﴾

''تم ایک دوسرے کی غیبت مت کرو۔ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اس کو تو برا سمجھتے ہو۔''[2]

بے عمل خطباء کا عبرت ناک انجام

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي رِجَالاً تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيضَ مِنْ نَارٍ، قُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَاجِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ مِنْ أُمَّتِكَ يَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ، وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ، أَفَلَا يَعْقِلُونَ»

---

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة، حديث: 4878

[2] الحجرات 12:49

''میں نے معراج کی رات کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے منہ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں۔ میں نے پوچھا، جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کی امت کے وہ خطیب لوگ ہیں جو لوگوں کو تو بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور خود ان پر عمل نہیں کرتے، حالانکہ وہ کتاب بھی پڑھتے ہیں، پس وہ نہیں سمجھتے؟''[1]

جہنم میں ناقۃ اللہ کے قاتل کا مشاہدہ

حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم کے مطالبے پر معجزے کے طور پر ایک اونٹنی دی گئی تھی اور ان سے کہا گیا تھا کہ اس کو کچھ نہ کہنا۔ علاوہ ازیں پانی کی باری مقرر کردی گئی تھی، ایک دن اونٹنی کے لیے اور ایک دن قوم کے لیے۔ لیکن ان ظالموں نے اس اونٹنی کا بھی کوئی احترام نہیں کیا جس کو اللہ نے اپنی اونٹنی قرار دیا تھا اور اس کو مار ڈالا۔ معراج میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی ایک جھلک دیکھی تو اس میں آپ نے اس قاتل کا بھی مشاہدہ کیا۔ آپ نے ایک سرخ رنگ، نیلگوں آنکھوں والا، گھونگریالے بالوں والا، پراگندہ حال شخص دیکھا۔ آپ نے پوچھا: ''جبریل! یہ کون شخص ہے؟'' جبریل علیہ السلام نے کہا: ''یہ اونٹنی کا قاتل ہے۔''[2]

[1] هذا حديث حسن، شرح السنة للبغوی: 353/14، حديث: 4159، المكتب الإسلامی

[2] الفتح الربانی، ج:20 ص:255، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے

باب:6

مشہور...... مگر غیر مستند واقعات

گزشتہ صفحات میں معراج کے وہ مشاہدات وواقعات بیان ہوئے جو صحیح یا حسن روایت سے ثابت ہیں۔اب ذیل میں ان واقعات ومشاہدات کا ذکر کیا جاتا ہے جو غیر مستند ہیں لیکن واعظ اور خطیب حضرات انھیں زیب داستان کے طور پر یا گرمئ محفل کے لیے بالعموم بیان کرتے ہیں،حالانکہ جو باتیں نبی ﷺ سے سنداً صحیح ثابت نہیں، انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرکے بیان کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس پر جہنم کی وعید وارد ہے۔

بنا بریں مناسب سمجھا گیا کہ غیر مستند واقعات کی بھی نشاندھی کردی جائے تاکہ خطباء حضرات ان کو بیان کرنے سے اجتناب اور صرف صحیح واقعات پر اکتفا کریں۔ یہ واقعات حسب ذیل ہیں۔ یہ سب واقعات تفسیر ابن کثیر سے نقل کیے جارہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تصدیق کرنا

ابو یعلیٰ کے حوالے سے ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

''آپ میرے سامنے مسجد اقصیٰ کی صفات بیان فرمائیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا ہوا تھا۔آپ نے اس کی صفات بیان کیں کہ وہ

ایسی ایسی ہے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: [أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ] ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“[1]

حافظ ابن کثیر نے اس روایت پر سکوت کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بابت اُس روایت کے علاوہ جو ”الصحیحة“ کے حوالے سے گزری۔ اس سلسلے میں اور روایات بھی آتی ہیں لیکن وہ غیر مستند ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔

ایک بڑھیا اور شیطان کا ملنا اور بعض انبیاء علیہم السلام کا سلام کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم براق پر جا رہے تھے کہ راستے کے ایک کنارے پر آپ نے ایک بڑھیا دیکھی۔ آپ نے پوچھا: ”جبریل! یہ کیا ہے؟“ جبریل علیہ السلام نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ چلیے۔ پس آپ پھر جتنا اللہ کو منظور تھا چلے کہ راستے کے ایک جانب کسی چیز کو دیکھا جو آپ کو بلا رہی تھی کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ادھر آؤ! تو جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا: ”اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنا سفر جاری رکھیے۔“ پس آپ پھر جتنا اللہ کو منظور تھا چلے۔ کچھ آگے چل کر ایک مخلوق ملی اور اس نے کہا: [اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَوَّلُ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا آخِرُ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَاشِرُ!] جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ”اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) سلام کا جواب دیجیے!“ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے دوسری اور تیسری مرتبہ بھی اس طرح ہی کیا۔ یہاں تک کہ آپ بیت المقدس پہنچ گئے۔ وہاں آپ کو پانی، شراب اور دودھ پیش کیا گیا۔ آپ نے دودھ لے لیا (اور باقی دو کو چھوڑ دیا) جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا: ”آپ فطرت کو پہنچ گئے۔ اگر آپ پانی پی لیتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی اور اگر آپ شراب پیتے تو آپ اور آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔“

[1] تفسیر ابن کثیر، ج: 5، ص: 8

پھر آپ کے لیے آدم علیہ السلام سے لے کر آپ تک کے تمام انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات ان سب کو نماز پڑھائی پھر جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا: ''وہ بڑھیا جو راستے کے ایک جانب آپ نے دیکھی تھی، پس دنیا کی عمر اتنی ہی باقی رہ گئی ہے جتنی اس بڑھیا کی عمر باقی ہے اور وہ جس کی طرف (اس کے بلانے پر) آپ مائل ہوا چاہتے تھے وہ اللہ کا دشمن (ابلیس) تھا وہ چاہتا تھا کہ آپ اس کی طرف مائل ہوں اور وہ جنھوں نے آپ کو سلام کیا تھا وہ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام تھے۔''

یہ روایت تفسیر طبری میں بھی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اسے امام بیہقی کی ''دلائل النبوۃ'' سے نقل کیا ہے اور پھر کہا ہے: [وَفِي بَعْضِ اَلْفَاظِهِ نَكَارَةٌ وَ غَرَابَةٌ] ''اس کے بعض حصوں میں نکارت اور غرابت ہے۔'' یعنی دیگر مستند روایات کے مقابلے میں اس میں اچنبھے والی نادر باتیں ہیں۔ یہ گویا اس کے غیر مستند ہونے کی طرف اشارہ ہے۔[1]

علاوہ ازیں اس میں جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے منہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو [يَا اَوَّلُ يَا آخِرُ] کہلوایا گیا ہے حالانکہ اوّل و آخر اللہ کی صفتیں ہیں جو قرآن کریم میں اللہ کے لیے آئی ہیں۔ یہ حصہ بھی اس کے غیر مستند ہونے کا غماز ہے۔

راستے کی مختلف منزلوں پر اتر کر نماز پڑھنا

سنن نسائی کی درج ذیل روایت کی بابت بھی حافظ ابن کثیر نے کہا ہے: [وَفِيهَا غَرَابَةٌ وَنَكَارَةٌ جِدًّا] ''اس میں غرابت اور بہت اچنبھا پن ہے''۔ اس میں ہے کہ میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ ایک برق رفتار جانور پر سوار جا رہا تھا کہ جبریل علیہ السلام نے کہا: ''اتریں اور نماز پڑھیں!'' چنانچہ میں نے نماز پڑھی۔ جبریل علیہ السلام نے پوچھا: ''آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز

① تفسیر ابن کثیر، ج: 5، ص: 10,9

پڑھی؟ آپ نے طیبہ (مدینہ منورہ) میں نماز پڑھی ہے اور یہی آپ کی ہجرت گاہ ہے۔"

(وہاں سے ہم چلے، پھر ایک مقام پر) جبریل علیہ السلام نے کہا: "اتریں اور نماز پڑھیں!" چنانچہ میں نے نماز پڑھی۔ جبریل علیہ السلام نے پوچھا: "آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ آپ نے طور سینا میں نماز پڑھی ہے۔ جہاں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔"

(آپ ﷺ پھر چلے اور ایک مقام پر) پھر جبریل علیہ السلام نے کہا: "اتریں اور نماز پڑھیں!" چنانچہ میں نے نماز پڑھی۔ جبریل علیہ السلام نے پوچھا: "آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز پڑھی؟ آپ نے بیت اللحم میں نماز پڑھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد (جائے ولادت) ہے۔" پھر میں بیت المقدس میں داخل ہو گیا۔ (اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کی امامت اور پھر آسمانوں پر چڑھ جانے کا بیان ہے جیسے دیگر روایات میں ہے۔)

اس روایت کے اس حصے میں نکارت وغرابت ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں ایک راوی یزید ہے جو ابن عبدالرحمٰن بن ابی مالک دمشقی ہے جو اگرچہ صدوق ہے لیکن کبھی وہم لاحق ہو جاتا ہے۔ اس سے بیان کرنے والا راوی سعید بن عبدالعزیز ہے، وہ بھی اگرچہ ثقہ اور امام ہے لیکن اسے آخر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا۔ (الاسراء والمعراج)

حورعین کا مشاہدہ، قافلے کا ملنا اور اس کی علامات کا بیان

یہ روایت ابن کثیر (ج:5، ص:11) میں ابن ابی حاتم کے حوالے سے ہے۔ اس میں ہے کہ نبی ﷺ جب بیت المقدس پہنچ کر اس جگہ پر پہنچے جسے باب محمد کہا جاتا ہے تو جبریل علیہ السلام وہاں ایک پتھر کے پاس آئے اور اس میں اپنی انگلی مار کر سوراخ کر دیا اور اس میں سواری دابہ کو باندھ دیا پھر مسجد اقصیٰ پر چڑھ گئے۔ جب دونوں مسجد کے صحن میں پہنچ گئے تو جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے کہا: "کیا آپ نے اپنے رب سے حورعین دیکھنے کی بھی التجا کی؟" آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں!'' تو جبریل علیہ السلام نے کہا: ''تو آیئے! آپ کو ان خواتین جنت کی طرف لے چلتا ہوں، پس آپ ان کو سلام کریں۔''

وہ صخرہ کی بائیں جانب بیٹھی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں ان کے پاس گیا اور ان کو سلام کیا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: ''ہم خوب سیرت اور خوبصورت ہیں، نیک لوگوں کی بیویاں، وہ پاک صاف کیے ہوئے ہوں گے پھر ناپاک نہیں ہوں گے، وہ جنت ہی میں مقیم رہیں گے یہاں سے کوچ نہیں کریں گے، ہمیشہ رہیں گے انھیں موت نہیں آئے گی۔''

پھر میں وہاں سے آ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سے لوگ جمع ہو گئے پھر مؤذن نے اذان دی اور نماز کی تکبیر کہی گئی۔ پس ہم صفیں بنائے کھڑے منتظر تھے کہ کون ہمیں نماز پڑھائے؟ تب جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کر دیا۔ میں نے ان کو نماز پڑھائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: ''اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ جانتے ہیں آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی؟'' میں نے کہا: ''نہیں۔'' جبریل علیہ السلام نے کہا: ''آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز پڑھی جسے اللہ نے مبعوث فرمایا۔''

(اس کے بعد آسمانوں پر لے جانے اور وہاں انبیاء سے ملاقاتوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ہے) پھر مجھے ساتویں آسمان سے بھی اوپر لے گئے حتی کہ وہاں ایک نہر پر میں پہنچا جس پر یاقوت، موتیوں اور زبرجد کے خیمے تھے اور اس پر سبز رنگ کا پرندہ منڈلا رہا تھا۔ اتنا نفیس جو کبھی میں نے نہیں دیکھا۔ میں نے کہا: ''اے جبریل! یہ پرندہ تو بہت نفیس ہے۔'' جبریل علیہ السلام نے کہا: ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جانتے ہیں یہ کون سی نہر ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں۔'' جبریل علیہ السلام نے کہا: ''یہ وہ کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے اس میں آبخورے سونے چاندی کے تھے۔ اس کا بہاؤ یاقوت اور زمرد کی کنکریوں پر تھا۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ میں نے اس
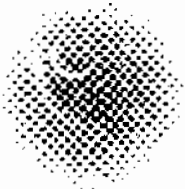
کے آبخوروں میں سے ایک سونے کا آبخورہ لیا اور اس میں سے ایک چلو پانی لیا اور پیا تو وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا پھر مجھے لے جایا گیا یہاں تک کہ میں اس خاص درخت کے پاس آ گیا۔ وہاں مجھے ہر قسم کے رنگوں والی بدلی نے ڈھانپ لیا۔ پس جبریل علیہ السلام نے مجھے چھوڑ دیا اور میں بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گیا، تو اللہ نے مجھ سے فرمایا: ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اس دن ہی سے جس دن میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں نے آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کر دی تھیں۔ پس آپ اور آپ کی امت اس کا اہتمام کرے۔''

پھر وہ بدلی مجھ سے ہٹ گئی اور جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں تیزی سے واپس پلٹا۔ (اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات اور ان کے مشورے سے تخفیف صلاۃ کا ذکر ہے) پھر آپ نیچے اترے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے کہا: ''جس آسمان پر جو بھی مجھے ملا، اس نے ہنس کر میرا استقبال کیا اور خوش آمدید کہا سوائے ایک آدمی کے، میں نے اسے سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا، مجھے خوش آمدید کہا لیکن مسکرا کر استقبال نہیں کیا۔''

جبریل علیہ السلام نے کہا: ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ جہنم کا داروغہ (مالک) ہے یہ جب سے پیدا ہوا ہے، ہنسا نہیں۔ اگر یہ کسی کے سامنے ہنسا ہوتا تو یقیناً آپ کے سامنے بھی ہنستا۔''

پھر آپ واپس (مکہ) آنے کے لیے براق پر سوار ہوئے۔ راستے میں آپ قریش کے ایک قافلے کے پاس سے گزرے جو غلہ لادے جا رہا تھا۔ ان میں سے ایک اونٹ تھا جس پر دو بورے لدے ہوئے تھے۔ ایک بورا سیاہ اور ایک سفید تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قافلے کے پاس سے گزرے تو وہ بدک گیا اور چکرا گیا اور اونٹ گر کر زخمی ہو گیا۔ آپ مکہ پہنچ گئے اور صبح لوگوں کو رات کی سیر کی بابت بتلایا۔ پس جب مشرکین نے آپ کی بات سنی تو بھاگے بھاگے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا: ''آپ کو اپنے ساتھی (پیغمبر) کے بارے میں کچھ پتہ

ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ آج کی رات ایک مہینے کی مسافت کا سفر کر کے رات کی رات ہی میں واپس آ گیا ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر یہ بات انھوں نے کہی ہے تو یقیناً سچ کہا اور ہم تو ان کی اس سے بھی بڑھ کر باتوں کی تصدیق کرتے ہیں جو عقل میں نہیں آتیں اور ہم تو ان کو ان کی آسمانی خبروں میں بھی سچا جانتے ہیں۔''

(وہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے) اور آپ سے کہا: آپ جو کچھ کہتے ہیں اس کی نشانی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں قریش کے ایک قافلے کے پاس سے گزرا اور وہ فلاں فلاں جگہ پر تھا، پس وہ قافلہ ہماری وجہ سے بدکا اور چکرا گیا اور اس میں ایک اونٹ تھا جس پر دو بورے لدے ہوئے تھے، ایک سیاہ بورا اور دوسرا سفید بورا۔ پس وہ اونٹ گر گیا اور زخمی ہو گیا۔''

جب قافلہ آیا تو انھوں نے قافلہ والوں سے پوچھا۔ انھوں نے اسی طرح بیان کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتلایا تھا اور اسی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو [صدیق] کے نام سے پکارا جانے لگا.....''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اسے نقل کر کے لکھتے ہیں: [هٰذا سِيَاقٌ فِيهِ غَرَائِبُ عَجِيبَةٌ] ''اس روایت میں بہت عجیب نادر چیزیں ہیں۔''[1]

شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس رائے کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس میں ایک راوی خالد بن یزید ہے۔ وہی ساری خرابی کی بنیاد ہے کیونکہ وہ فقیہ ہونے کے باوجود ضعیف ہے۔ (الاسراء والمعراج، ص: 14) تاہم اس روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ ہم تو اس سے بھی بڑی باتوں میں ان کی تصدیق کرتے ہیں، صحیح ہے کیونکہ یہ بات دوسری صحیح روایات سے ثابت ہے جیسا کہ پہلے وجہ تسمیہ صدیق میں روایت گزر چکی ہے۔

---

① تفسیر ابن کثیر، ج: 5، ص: 11-13
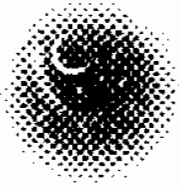
دلائل النبوۃ کی ایک مفصل روایت کی تلخیص

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بیہقی رحمہ اللہ کی ''دلائل النبوۃ'' سے ایک غیر مستند اور مفصل حدیث نقل کی ہے، اس میں بھی عجائبات کی کثرت ہے۔ہم اس کے بھی صرف وہ حصے ہی نقل کرتے ہیں جن میں غرابت ونکارت ہے۔

تین داعیان ضلالت

اس میں براق کی کچھ صفات بیان کرنے کے بعد ہے کہ میں اس پر سوار ہوکر چلا ہی تھا کہ میری دائیں جانب کسی نے آواز دی: ''اے محمد! میری طرف دیکھ، میں تجھ سے کچھ پوچھوں گا۔'' لیکن میں نے جواب دیا، نہ ٹھہرا۔ پھر کچھ اور آگے چلا تو بائیں جانب سے آواز آئی لیکن میں وہاں بھی نہ ٹھہرا، نہ دیکھا، نہ جواب دیا۔ پھر کچھ آگے گیا کہ ایک عورت دنیا بھر کی زینت کیے ہوئے، باہیں کھولے ہوئے کھڑی تھی اس نے مجھے اسی طرح آواز دی کہ میں کچھ دریافت کرنا چاہتی ہوں لیکن میں نے اس کی طرف التفات کیا، نہ ٹھہرا حتی کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا۔ (پھر سواری کے باندھنے اور دودھ اور شراب کے پیالے پیش کرنے وغیرہ کا ذکر ہے اس کے بعد ہے کہ) جبریل علیہ السلام نے کہا: ''آپ کے چہرے پر فکر کے آثار کیوں ہیں؟'' تو میں نے تینوں گزشتہ واقعات بیان کیے۔ جبریل نے کہا:

① دائیں جانب سے بلانے والا یہودیت کا داعی تھا۔ اگر آپ اس کا جواب دیتے یا وہاں ٹھہر جاتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی۔

② بائیں جانب سے پکارنے والا عیسائی تھا۔ اگر آپ اس کا جواب دیتے تو آپ کی امت عیسائی ہو جاتی۔

③ بانہیں کھولے اور زیب وزینت سے آراستہ عورت دنیا تھی۔ اگر آپ اس کو جواب دیتے یا اس کے پاس ٹھہر جاتے تو آپ کی اُمّت آخرت کے مقابلے میں دنیا کو پسند کرلیتی۔

پھر دونوں کے بیت المقدس میں داخل ہونے اور دونوں کے دو دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ہے:

حضرت آدم علیہ السلام کو اصلی حالت میں دیکھنا

پھر میرے پاس وہ سیڑھی لائی گئی جس پر انسانوں کی روحیں چڑھتی ہیں......اوپر چڑھنے کے بعد آسمان دنیا کا سردار فرشتہ دیکھا جس کا نام اسمٰعیل ہے۔ اس کے سامنے ستر ہزار فرشتے ہیں۔ ہر فرشتے کے ساتھ ایک ایک لاکھ فرشتوں کا لشکر ہے..... یہاں آسمان کا دروازہ کھلوانے کے بعد حضرت آدم کو اسی حالت میں دیکھا جو ان کی اس وقت تھی جب اللہ نے ان کو پیدا کیا تھا، ان کی اصلی صورت میں۔ ان پر ان کی اولاد میں سے مومنوں کی روحیں پیش کی جاتی تھیں۔ اور وہ کہتے تھے، پاک روح، پاک جان، اس کو علیین میں رکھ دو، پھر ان پر ان کی اولاد میں سے اللہ کے نافرمانوں کی روحیں پیش کی جاتیں تو وہ کہتے، ناپاک روح، ناپاک جان، اس کو سجین میں رکھ دو۔

حرام خوروں کا مشاہدہ

میں وہاں سے کچھ دور چلا تو دیکھا کہ دستر خوان بچھا ہوا ہے۔ اس پر نفیس گوشت ہے لیکن اس کے قریب کوئی نہیں جاتا۔ ایک دوسرا دستر خوان ہے جس پر سخت بدبودار گوشت رکھا ہوا ہے۔ اس کے پاس لوگ ہیں وہ اسے کھا رہے ہیں۔ میں نے کہا: ''اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حلال چھوڑ کر حرام کو اختیار

کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں بیان کردہ سود خوروں کے انجام بد کا مشاہدہ

میں پھر کچھ آگے چلا تو دیکھا، کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ گھڑوں کی طرح بڑے بڑے ہیں۔ جب بھی ان میں سے کوئی کھڑا ہوجاتا تو گر پڑتا اور کہتا ہے: اے اللہ! قیامت قائم نہ کرنا۔ آل فرعون کے خوف ناک جانور انھیں روندتے ہیں۔ میں نے انھیں اللہ کی طرف آہ وزاری کرتے ہوئے سنا۔ میں نے کہا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے ہیں۔ یہ نہیں کھڑے ہوتے مگر ایسے جن کو شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔

یتیموں کا مال کھانے والے

میں پھر چلا، تو دیکھا، کچھ لوگ ہیں جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں جیسے ہیں۔ ان کے مونہوں کو پھاڑ کر ان میں گدھوں کا گوشت ڈالا جاتا ہے، پھر وہ ان کے نچلے حصوں سے نکل جاتا ہے۔ میں نے ان کو بھی اللہ کی طرف آہ وزاری کرتے ہوئے سنا۔

میں نے پوچھا: ''اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ظلماً کھایا کرتے ہیں۔ یہ دراصل جہنم کی آگ ہے جسے کھا کر وہ اپنے پیٹوں میں ڈالتے ہیں۔ وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے۔

بدکار عورتیں

میں پھر کچھ چلا تو دیکھا، کچھ عورتیں ہیں جو پستانوں کے ساتھ لٹکی ہوئی ہیں۔ میں نے

انھیں بھی اللہ کی طرف فریاد کرتے ہوئے سنا، میں نے پوچھا: ''اے جبریل! یہ عورتیں کون ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: یہ آپ کی امت کی زناکار عورتیں ہیں۔

عیب جُو اور لعن طعن کرنے والے

میں پھر چلا تو دیکھا، کچھ لوگ ہیں جن کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کاٹ کر ان کو زبردستی کھلایا جارہا ہے اور ان کو کہا جارہا ہے کہ کھاؤ جیسے تم (دنیا میں) اپنے بھائی کا گوشت کھاتے تھے۔ میں نے پوچھا: ''اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو عیب جُو اور لعن طعن کرنے والے تھے۔

اس کے بعد روایت میں دوسرے آسمان سے ساتویں آسمان تک اور ان میں ملنے والے انبیاء کا پھر سدرۃ المنتہیٰ اور اس کے بعض عجائبات کا ذکر ہے۔ ان سب میں بھی عجیب وغریب چیزوں کا بیان ہے۔ اس کے بعد ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے جنت میں لونڈی

پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا وہاں میرے سامنے ایک جاریہ (نوجوان بچی یا لونڈی) آئی۔ میں نے پوچھا: تو کس کی ہے؟ اس نے کہا: میں زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) کے لیے ہوں۔

جہنم اور اس کی شدت وحدّت کا مشاہدہ

پھر مجھے جہنم دکھائی گئی وہ اللہ کے غضب، اس کی زجر وتوبیخ اور اس کی سزا کا مظہر تھی اگر اس میں پتھر اور لوہا بھی پھینکا جائے تو اسے بھی وہ کھا جائے۔

روایت میں اس کے بعد پھر دوبارہ سدرۃ المنتہیٰ آنے، وہاں نمازوں کے فرض ہونے اور
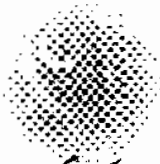
پھر ان میں تخفیف کا ذکر ہے اور معراج سے واپس آنے کے بعد صبح ابوجہل سے معراج کے ذکر اوران کے سامنے راستے میں ان کے قافلے کے ملنے اور اس کی علامات کا، پھر بیت المقدس کی بابت ان کے سوالات اور آپ ﷺ کے جوابات کا بیان ہے۔

اس روایت کی بیان کردہ تفصیلات میں جو غرابت ونکارت ہے، محتاج وضاحت نہیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کا راوی ابوہارون العبدی ہے جس کا نام عمارہ بن جوین ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

[وَهُوَ مُضَعَّفٌ عِنْدَالْأَئِمَّة] ''محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔''[1]

بنابریں مذکورہ تمام واقعات غیر مستند ہیں۔

ایک اور روایت کے عجائب وغرائب

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام ابن جریر طبری کے حوالے سے ایک اور طویل روایت نقل کی ہے اور اس کی بابت بھی کہا ہے: [وَفِيهَا غَرَابَةٌ] ''اس میں انوکھا پن ہے'' یعنی ایسی باتیں ہیں جو ثقہ راویوں کی روایات میں نہیں ہیں کیونکہ اس روایت کا ایک راوی ابوجعفر رازی ہے جو ضعیف ہے جیسا کہ اس روایت کے آخر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے جسے ہم بھی آخر میں نقل کریں گے۔ بہرحال اس روایت سے بھی کچھ دلچسپ واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

مجاہدین کے اجر وثواب کی تمثیل

اس میں براق کی جگہ گھوڑے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ﷺ جبریل علیہ السلام کے ساتھ چلے۔ راستے میں کچھ ایسے لوگ دیکھے کہ ایک روز کاشت کرتے ہیں اور

[1] تفسیر ابن کثیر: 5/20۔23

ایک ہی روز میں کھیتی تیار ہو جاتی ہے جسے وہ کاٹ لیتے ہیں۔ وہ جب بھی فصل کاٹتے ہیں تو وہ پھر اسی طرح ہو جاتی ہے جیسے وہ پہلے ہوتی تھی۔ نبی ﷺ نے پوچھا: ''جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ ان کی نیکیاں سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہیں۔ یہ جو بھی خرچ کریں، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا نعم البدل دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

فرض نمازوں کو گراں سمجھنے والے

پھر آپ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے لیکن کچلے جانے کے بعد ان کے سر پہلے کی طرح ہو جاتے اور ان کے ساتھ یہ عمل مسلسل کیا جا رہا تھا، ایک لمحے کے لیے بھی توقف نہ ہوتا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر فرض نمازوں سے گراں (بھاری) ہو جاتے تھے۔

زکاۃ نہ نکالنے والے

پھر آپ ﷺ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے کہ جن کے آگے پیچھے چیتھڑے (کپڑے کے ٹکڑے) تھے۔ وہ اونٹوں اور جانوروں کی طرح چرتے چگتے تھے۔ وہ کانٹے دار درخت، تھوہر (زقوم) اور جہنم کے انگارے اور پتھر کھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکاۃ نہیں نکالتے تھے۔ اور اللہ نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا، اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

ہرجائی مردوں اور عورتوں کا انجام

پھر آپ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت
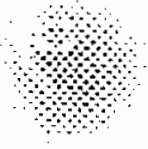
ہے اور ایک دوسری ہانڈی میں کچا اور سڑا بُسا گوشت ہے۔ یہ وہ کچا سڑا بُسا گوشت کھا رہے ہیں اور عمدہ پکے ہوئے گوشت سے گریز کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کی امت کے وہ مرد ہیں جن کے پاس حلال، پاکیزہ بیویاں تھیں لیکن یہ ان کو چھوڑ کر ناپاک عورتوں کے پاس رات گزارتے تھے۔ اور وہ عورتیں ہیں جو پاک اور حلال مردوں کے حبالۂ عقد میں تھیں لیکن یہ ان کو چھوڑ کر ناپاک مردوں کے پاس رات گزارتی تھیں۔

راستوں میں بیٹھ کر لوگوں کو تنگ کرنے والوں کی مثال

پھر آپ ﷺ کا گزر راستے میں پڑی ہوئی ایک لکڑی کے پاس سے ہوا۔ اس کے پاس سے جو بھی کپڑا گزرتا تو یہ اس کپڑے کو پھاڑ دیتی جو چیز بھی گزرتی اسے زخمی کر دیتی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''جبریل! یہ کیا ہے؟'' جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کی امت میں سے ان لوگوں کی مثال ہے جو راستے پر بیٹھ جاتے ہیں اور لوگوں کے راستے کاٹتے (یعنی انھیں تنگ کرتے) ہیں۔

حریص خائن کی مثال

پھر آپ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس نے لکڑیوں کا ایک بڑا گٹھا جمع کیا ہوا ہے جسے وہ اٹھا نہیں سکتا لیکن وہ اس میں لکڑیوں کا اضافہ کرتا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''جبریل! یہ کون ہے؟'' جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کی امت کا وہ آدمی ہے جس کے ذمے لوگوں کی اتنی امانتیں ہیں کہ وہ انھیں ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن اس کی خواہش یہ ہے کہ وہ مزید بوجھ لاد لے۔

فتنہ پرداز خطیب

پھر آپ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کی زبانیں اور منہ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے اور کاٹے جانے کے بعد پھر اسی طرح ہو جاتے، اور یہ عمل اسی طرح مسلسل جاری رہتا ہے، ایک لمحے کے لیے بھی توقف نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟'' جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ فتنہ پرداز خطیب ہیں۔

بے سوچے سمجھے بولنے والے کی مثال

پھر آپ ایک ایسے پتھر کے پاس آئے جو چھوٹا سا تھا۔ اس سے ایک بڑا بیل نکلتا تھا۔ وہ بیل اس پتھر کے اس سوراخ میں واپس جانے کی کوشش کرتا تھا جہاں سے وہ نکلا تھا لیکن وہ ایسا کر نہیں پا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: جبریل! یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ وہ آدمی ہے جو بڑا بول بولتا ہے، پھر اس پر نادم ہوتا ہے (چاہتا ہے کہ وہ بول واپس ہو جائے لیکن وہ) اسے واپس لوٹانے کی طاقت نہیں رکھتا۔

جنت کی صدا اور پکار

پھر آپ ایک وادی میں آئے جہاں آپ نے پاکیزہ ٹھنڈی ہوا محسوس کی اور کستوری کی خوشبو بھی اور ایک آواز بھی سنی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: جبریل! یہ ٹھنڈی پاکیزہ ہوا، کستوری کی خوشبو اور آواز کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ جنت کی آواز ہے۔ یہ کہتی ہے یا اللہ! مجھ سے اپنا وعدہ پورا کر! میرے بالا خانے، ریشم، موتی، مونگے، سونا چاندی، جام کٹورے، شہد، پانی، دودھ شراب وغیرہ نعمتیں بہت زیادہ ہوگئی ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت، مومن مرد اور مومن عورت اور جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لایا، نیک
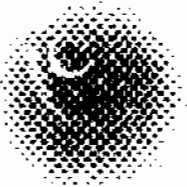
عمل کیے، میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، نہ کسی کو میرا ہمسر بنایا: یہ تیرے مہمان ہوں گے، تیرے ہی پاس آئیں گے۔ سن! جس کے دل میں میرا ڈر ہے وہ ہر خوف سے محفوظ ہے۔ جو مجھ سے سوال کرتا ہے وہ محروم نہیں رہتا۔ جو مجھے قرض دیتا ہے میں اسے بدلہ دیتا ہوں۔ جو مجھ پر توکل کرتا ہے میں اسے کفایت کرتا ہوں۔ میں سچا معبود ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میرے وعدے خلاف نہیں ہوتے، مومن یقیناً فلاح یاب ہوگئے۔ بہت بابرکت ہے وہ جو بہترین خالق ہے۔ یہ سن کر جنت نے کہا: بس میں راضی ہوگئی۔

جہنم کی صدا اور پکار

پھر آپ ایک اور وادی پر آئے، جہاں نہایت بری اور بھیانک مکروہ آوازیں آ رہی تھیں اور سخت بدبو بھی۔ آپ ﷺ نے اس کی بابت جبریل علیہ السلام سے پوچھا: جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ جہنم کی آوازیں ہیں۔ وہ کہہ رہی ہے یا اللہ! مجھ سے اپنا وعدہ پورا کر جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔ میرے طوق وزنجیر، میرے شعلے اور میرا گرماؤ، میرا تھور، لہو اور پیپ، میرے عذاب اور سزا کے سامان بہت زیادہ ہوگئے ہیں۔ میرا گہراؤ بہت زیادہ ہے۔ میری آگ بہت تیز ہے، پس تو مجھے وہ دے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر مشرک ومشرکہ اور کافر وکافرہ، خبیث مرد وعورت اور ہر سرکش جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا یہ سب تیرے لیے ہیں۔ یہ سن کر جہنم نے کہا: میں راضی ہوگئی۔

انبیاء علیہم السلام کی مجلسِ مکالمہ اور اللہ سے ہم کلامی

آپ ﷺ پھر چلے، حتی کہ بیت المقدس پہنچ گئے۔ یہاں آپ نے گھوڑے کو صخرہ کے ساتھ باندھنے کے بعد فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ کی ملاقات انبیاء علیہم السلام کی

روحوں کے ساتھ ہوئی اور (گویا) ایک استقبالیہ مجلس منعقد ہوئی جس میں ہر جلیل القدر پیغمبر نے اپنی اپنی امتیازی خصوصیات بیان کیں جن سے اللہ نے ان کو نوازا تھا۔ سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا شرف و امتیاز بیان فرمایا، پھر پانی دودھ اور شراب کے تین سر بہ مہر برتنوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد آسمان پر چڑھ جانے اور وہاں انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتوں کا بیان ہے۔ اس میں بھی بہت سی عجیب وغریب چیزیں ہیں جو مستند روایات میں نہیں ہیں۔ اسی طرح پھر سدرۃ المنتہیٰ میں پہنچنے اور یہاں آپ کے اللہ سے ہم کلام ہونے کا ذکر ہے۔ اور یہ تفصیل دلچسپ بھی ہے اور مستند روایات سے یکسر مختلف بھی۔ اور آخر میں پانچ نمازوں کے فرض ہونے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے اس میں تخفیف کا بیان ہے۔

یہ روایت، جیسا کہ شروع میں بھی اشارہ کیا گیا ہے ضعیف ہے۔ اس کا انداز بیان اور اس میں بیان کردہ تفصیلات بھی اس کے غیر مستند ہونے کی غماز ہیں۔ اسی لیے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس روایت کے آخر میں اس کے راوی کی بابت لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں: ابوجعفر الرازی، اس کے بارے میں حافظ ابوزرعہ نے کہا: [يَهِمُ فِي الْحَدِيثِ كَثِيرًا] ''وہ حدیث میں بہت وہم کرتا ہے''۔ ان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اس کی توثیق کی ہے اور زیادہ واضح بات یہ ہے کہ وہ برے حافظے والا ہے۔ پس اس کی وہ روایات جس میں وہ متفرد ہے، مشکوک ہیں، اور اس کی اس حدیث کے بعض الفاظ میں بھی غرابت اور سخت نکارت ہے۔''[1]

سود خوروں کی ایک اور مثال

سنن ابن ماجہ میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معراج والی رات میں ایسے لوگوں

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 36/5
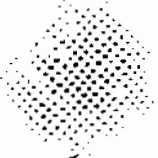
کے پاس آیا جن کے پیٹ گھڑوں جیسے تھے۔ ان میں سانپ تھے جو ان کے پیٹوں کے باہر سے نظر آتے تھے۔ میں نے پوچھا: ''جبریل! یہ کون لوگ ہیں''؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ سودخور ہیں۔''[1]

صدقے کے مقابلے میں قرض کی فضیلت

سنن ابن ماجہ ہی کی ایک اور ضعیف روایت میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شب معراج کو میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا، صدقے کا اجر دس گنا ہے اور قرض کا اٹھارہ گنا۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے کہا: ''قرض کا اجر صدقے سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہ کیا بات ہے''؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ سائل، ہوتے ہوئے بھی، سوال کر لیتا ہے اور قرض طلب کرنے والا اسی وقت قرض مانگتا ہے جب وہ حاجت مند ہوتا ہے'' اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا، اس لیے قرض دینے کی فضیلت صدقے سے بھی زیادہ ہے۔)

شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ضعیف جدا ، بہت کمزور روایت ہے۔[2]

بہر حال مذکورہ واقعات سب غیر مستند ہیں۔ ہم نے انھیں اس لیے بیان کیا ہے کہ واعظین اور قصہ گو قسم کے خطباء ان کے بیان کرنے میں احتیاط نہیں کرتے، حالانکہ اس قسم کے غیر مستند واقعات کو نبی ﷺ کے حوالے سے بیان کرنے پر جہنم کی شدید وعید وارد ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

''جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''[3]

---

[1] ضعیف سنن ابن ماجه، ص: 175 وضعیف الجامع الصغیر، رقم: 133 ـ کلاهما للألباني

[2] ضعیف سنن ابن ماجه، ص: 188 والأحادیث الضعیفة: رقم 3637، والتعلیق الرغیب: 34/2

[3] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب ما ذکر عن بني إسرائیل، حدیث: 3461

قصہ گوؤں کی بابت خواب میں صراحت

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کو بھی جنھوں نے اگرچہ روایات کی استنادی حیثیت کو بھی بالعموم واضح کردیا ہے، یہ احساس ہے کہ قصہ گوؤں نے معراج کے واقعات میں بہت کچھ اضافہ کردیا ہے۔ اسی لیے انھوں نے ایک شخص کا خواب بھی نقل کیا ہے جس میں قصہ گوؤں کے اس طرز عمل کی نشاندھی کی گئی ہے، چنانچہ یزید بن حکیم کہتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا تو آپ سے حضرت سفیان ثوری کی بابت پوچھا: آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان میں کوئی حرج نہیں۔'' پھر میں نے پوچھا: آپ نے بیان فرمایا ہے کہ میں اس اس طرح آسمان پر گیا۔ اور معراج کی حدیث بیان کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں ٹھیک ہے۔'' میں نے پھر پوچھا کہ معراج کی بابت آپ کی امت کے لوگ آپ کی طرف سے عجیب وغریب باتیں بیان کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [ذٰلِكَ حَدِيثُ الْقُصَّاصِ] ''یہ قصہ گوؤں کی باتیں ہیں۔''[1]

یعنی معراج کی بات تو صحیح ہے لیکن قصہ گوؤں نے اس کی تفصیلات میں جو عجیب وغریب قسم کے قصے گھڑ لیے ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں۔ اس لیے انھیں زیب داستان کے طور پر بیان کرنا غیر صحیح طریقہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اسراء ومعراج کے صرف وہ واقعات بیان کریں جو مستند روایات میں بیان کیے گئے ہیں اور اللہ کی توفیق سے ہم نے وہ صحیح واقعات وتفصیلات اپنے اس مضمون میں بیان کردی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ غیر مستند واقعات بھی بیان کردیے ہیں تاکہ ان سے اجتناب کیا جائے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: 24/5

تلاشِ حق میں سرگرداں لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے
انتہائی مستند، جامع اور دل پذیر کتابوں کا سیٹ، اردو میں پہلی بار

خود پڑھیے اور دوسروں کو ہدیہ کیجیے!

* توحید اور ہم
* رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
* قرآن کی عظمتیں اور اس کے معجزے
* اسلام کی امتیازی خوبیاں
* اسلام کے بنیادی عقائد
* اسلام میں بنیادی حقوق
* اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات

اسلام پر 40 اعتراضات کے عقلی و نقلی جواب

اسلام ہی ہمارا انتخاب کیوں؟

میں توبہ تو کرنا چاہتا ہوں لیکن!

جنت میں داخلہ، دوزخ سے نجات

راہِ حق سیریز

مسلمانوں کی عملی زندگی میں مسنون انقلاب برپا کرنے والی کتب کا دعوتی، مستند اور جامع سیٹ

خود پڑھیے اور دوسروں کو ہدیہ کیجئے!

* ترجمہ وتفسیر تیسواں پارہ
* تجلیاتِ نبوت
* ارکانِ اسلام وایمان
* مسنون نماز اور روزمرہ کی دعائیں
* اسلام کے احکام وآداب
* فکر وعقیدہ کی گمراہیاں اور صراطِ مستقیم کے تقاضے
* اسلامی آدابِ معاشرت
* حقوق وفرائض
* انسان..... اپنی صفات کے آئینے میں
* دعوتِ حق کے تقاضے
* لباس اور پردہ

واقعۂ معراج اور اس کے مشاہدات

ایک تحقیقی جائزہ

واقعۂ معراج نبی کریم e کا عظیم معجزہ ہے جس کا ثبوت قرآن کریم اور احادیث صحیحہ دونوں میں ہے۔ لیکن نام نہاد مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو اسے ایک کشفی و روحانی یا منامی (خواب کے) مشاہدے سے تعبیر کر کے اس کی معجزانہ حیثیت کا انکار کرتا ہے۔

ایک دوسرا گروہ ہے جو اس میں زیب داستاں کے طور پر بہت سی بے سرو پا روایات شامل کر کے اسے کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ دونوں ہی گروہ افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ صحیح بات کیا ہے؟ یہی اس کتاب کا اصل موضوع ہے۔

اس میں قرآن و حدیث کے دلائل سے پہلے موقف کی بھی تغلیط و تردید کی گئی ہے اور روایات کی تحقیق کر کے دوسرے گروہ کی بے اصل باتوں کی توضیح بھی۔ علاوہ ازیں صحیح روایات کے ظاہری تعارض کو بھی حل کر کے واقعۂ معراج اور اس کے مشاہدات کا صحیح صحیح نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

اس اعتبار سے یہ اُردو بلکہ کسی بھی زبان میں پہلی کتاب ہے جو واقعۂ معراج کو اس کے صحیح تناظر میں پیش کرتی اور اس کے واقعاتی مشاہدات کو غیر مستند روایات سے ممیز کرتی ہے۔

روایات کے انبار میں حقائق و واقعات کے جاننے، منکرین کے شبہات و مغالطات کا پردہ چاک کرنے اور واقعات کی صحیح تصویر کے ذریعے سے اپنے ایمان کو جلا بخشنے کے لیے ایک ناگزیر کتاب، ایک روح پرور گلدستہ اور علم و تحقیق کا ایک نادر گنجینہ۔